اکرم الہ آبادی کی جاسوسی ناول
خاص نمبر
2/-
WILAYAT AHMED /63

جاسوسی دائرہ سیریز

مریخ کا ڈکٹیٹر

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

عجیب پرچھائیں

سپرنٹنڈنٹ خان چند دنوں سے پریشان نظر آ رہا تھا۔

اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ صوبہ بمبئی کی خفیہ پولیس کے انچارج کی حیثیت سے اس کی ذمے داریاں بہت بڑھی ہوئی تھیں، ان ذمے داریوں کا تو وہ عادی ہو چکا تھا۔ سارجنٹ بالے اس کا اسسٹنٹ ہی سہی، لیکن خان اسے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ہی رکھتا اور سمجھتا آیا تھا۔ اس لیے خان کی پریشانیاں چاہے وہ کسی نوعیت کی ہوں، اس سے چھپی ہوئی نہ رہتیں، لیکن نہ جانے کیوں اس بار خان اس کے ہر استفسار پر اسے ٹال گیا تھا اور بالے نے بھی یہ جان کر کہ کوئی ایسی خاص بات ہے جو خان سردست ظاہر نہیں کرنا چاہتا، اب پوچھنا چھوڑ دیا تھا، پھر بھی وہ اس فکر میں لگا تھا کہ اس کی پریشانی کا راز کسی طرح معلوم کر لے اور ہو سکے تو کسی طرح اس کے کام آئے۔ خان کا ایک سب سے بڑا احسان اس پر یہی تھا کہ اس نے اسے ہندوستان کے بہترین سراغرسانوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا اور جہاں خان کا نام لیا جاتا تو وہاں بالے کا بھی تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔ بالے نے اپنی اس فکر کا تذکرہ انسپکٹر ڈیسوزا سے بھی کر دیا تھا۔ اور روف اور شوکت سے بھی۔ شوکت بالے کے بہترین دوستوں میں تھا، لیکن بھوپال کے قدامت پسند ماحول کا پروردہ ہونے کی وجہ سے وہ توہمات اور روایات پر یقین رکھتا تھا۔ اس لیے اس نے بالے کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ضرور یا تو خان صاحب پر کسی ''شے'' کا سایہ پڑ گیا ہے، ورنہ کسی دشمن نے 'جادو ماد و' کر دیا ہو گا ان پر، اس لیے کسی بڑے پیر صاحب کی تعویذ یا دعائیں حاصل کرنی چاہئیں۔ بالے اس مشورے پر کیا عمل کرتا، لیکن اس نے خود بھی اکثر بیٹھے بیٹھے خان کو چونک پڑتے دیکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ چلتے چلتے ٹھٹک جاتا۔ اس کی یہ حرکتیں بالے کیلیے بڑی حیرن کن تھیں۔ ایسے موقعوں پر خان کے چہرے پر کسی خوف یا دہشت کا شائبہ بھی نہ ہوتا، لیکن وہ فکر

مندضرور نظر آتا۔ بالے کے فرشتے بھی معمہ حل کرنے بیٹھ گئے تھے، مگر بات کہیں سے بنے نہیں پڑتی تھی۔ ایک اتنا سنجیدہ، باوقار، لائق اور اڑتی چڑیا کے پر گننے والا سراغرساں اور یہ عجیب و غریب حرکتیں۔ اس پر خلل دماغ کا شبہ تو اس لیے نہیں کیا جا سکتا تھا کہ نہ صرف اپنے کام، بلکہ گفت وشنید میں بھی کوئی خلاف معمول بات اسے نظر نہ آئی تھی۔ گھر کے ملازم غلام رسول نے بھی بالے کو بتایا تھا کہ وہ ایک بار اس نے صاحب کو سوتے سوتے اچانک چونک اٹھتے اور لائٹ آن کر کے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ دیکھتے پایا۔ نہ جانے خان اس کیفیت کو ان سے چھپانا چاہتا تھا، لیکن یہ کیفیت قطعی مصنوعی نہ تھی، اس پر یقیناً کچھ گزر رہی تھی، جسے ممکن ہے وہ خود بھی سمجھ نہ پایا ہو، یا جس کا اظہار نہ کر سکتا ہو۔

یہ کیفیت تقریباً ایک ہفتے سے تھی۔ ہیڈ کوارٹرز میں تو وہ اپنے آفس میں اور ماتحتوں کے سامنے خود کو لیے دیے رہتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی سمجھ پاتے کہ صاحب کا موڈ آج کل کچھ بگڑا ہوا ہے، لیکن جب بھی وہ تنہا ہوتا، اس کے ماتھے پر گہری سوچ کی لکیریں ابھر آتیں۔

بالے نے اب چھپ کر اس کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ غلام رسول اس کام میں بالے کی مدد کر رہا تھا۔

آج ان عجیب حالات کو ساتواں دن تھا۔ خان آفس سے کچھ جلدی آ گیا تھا اور اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ بالے اس کے پیچھے ہی آیا تھا اور برآمدے میں گھر کے پالتو کتوں کی مزاج پرسی کر رہا تھا کہ اسی وقت غلام رسول بھاگا ہوا آ پہنچا۔ وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولا۔

''چھوٹے صاحب، جلدی چلیے، آج تو صاحب کی عجیب حالت ہے۔'' بالے اسی وقت خان کے کمرے کی طرف دوڑا۔ خان اپنے مطالعے کے کمرے میں تھا۔ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ بالے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں کھڑکی کی اوٹ سے اندر دیکھنے لگے۔ بالے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور پاگلوں کی طرح جھپٹ جھپٹ کر ہوا میں ہاتھ مار کر کسی شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یا خدا، پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں حضرت۔'' بالے فکرمند لہجے میں آہستہ سے بولا۔

''اللہ رحم کرے، میاں۔ رنگ کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے۔'' غلام رسول بھی آزردہ ہو گیا۔ اچانک ایک بار خان بڑی زور سے جھپٹا اور دیوار سے ٹکرا گیا۔

بالے اندر کودنا ہی چاہتا تھا کہ ایک عجیب سی شے پر اس کی نظر پڑی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ابھی تک اسے بجلی کی روشنی سے دیوار پر پڑنے والا خان کا سایہ ہی سمجھ رہا تھا، مگر وہ خان کی پرچھائیں تو نہ تھی۔ کیونکہ خان کے دیوار سے ٹکرانے کے باوجود وہ کچھ دور کھسک کر سیدھا کھڑا رہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ کیا ہے؟'' بالے کا دماغ موٹر کے گھومتے پہیے کی طرح چکراتے ہوئے سوچنے لگا۔ اس نے دیکھا خان نے سر کی چوٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پھر سے سیدھے ہو کر اس سائے پر حملہ کیا اور اسے دبوچنا چاہا، مگر وہ تو سایہ ہی تھا، ایسی پرچھائیں جو کسی کے روشنی کے سامنے ہونے پر اس کے عقب میں پڑے۔ ویسی ہی سیاہ، مگر یہ پرچھائیں ہوا کی طرح دور ہٹ کر پھر قائم ہو گئی۔

''تم کون ہو، سور؟'' خان دانت پیس کر چیخ اٹھا۔ ''کیوں مجھے پریشان کر رہے ہو؟''

اس وقت شاید پہلی بار سائے کی آواز سنی گئی ہو گی، کیونکہ خان خود حیرت سے چونک پڑا تھا اور بالے کی عقل پر تو منوں پتھر برس گئے ہوں گے۔ اور بے چارہ غلام رسول تو پتھر کا بت بن کر رہ گیا تھا۔ اس پرچھائیں کی سمت سے مدھم سی آواز سنائی دی۔

''میں تمہارا ہمزاد ہوں۔''

''ہم...زاد۔'' خان نے دو ٹکڑوں میں دہرایا۔

Akram Allahabadi

بالے سے نہ رہا گیا۔اس نے جھٹکے سے کھڑکی کھولی اور اندر کود پڑا، لیکن اس کے کودتے ہی پرچھائیں غائب ہوگئی اور خان کا سایہ بالے کو دیوار پر پڑتا نظر آیا، جو بہرصورت بجلی کی روشنی کی بدولت تھا۔

''آپ...''بالے نے خان کی طرف بڑھتے ہوئے کہنا چاہا۔

''گدھے کہیں کے،تم کہاں بیچ میں کود پڑے۔کتنی مشکل سے تو میں نے اسے کچھ بولنے پر مجبور کیا تھا۔''خان اس کی بات کاٹ کر اس پر ہی بگڑ گیا۔بالے سناٹے میں رہ گیا۔

''کمال ہے۔''وہ بڑبڑایا۔''یہ تو وہی بات ہوئی کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔میں آپ کی مدد کرنے کیلیے آیا تھا اور آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔''

'میں کیا دودھ پیتا بچہ ہوں۔''خان نے جواب دیا۔

''مجھے اگر معلوم ہوتا کہ آپ اپنے ہمزاد سے ملاقات فرما رہے ہیں تو میں دور سے ہی سلام کر لیتا۔میں تو سمجھا تھا کہ...''

''کیا سمجھے تھے؟''

''کہ خدانہ کرے جو کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہو۔''بالے نے کہہ ہی ڈالا۔

''کیا میں تمہیں پاگل نظر آتا ہوں؟''خان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''جی بالکل نہیں،آپ تو صرف ہوا سے کشتی لڑ رہے تھے اور دیوار سے سر مضبوط کر رہے تھے۔''

''تم جو کچھ جاننے کے چکر میں تھے۔وہ دیکھ لیا نا تم نے۔''

''کاش نہ دیکھا ہوتا۔اب تو میری کھوپڑی بھی گھاس کھاتی نظر آ رہی ہے۔''

''کیوں؟''

''شاید طلسمِ ہوشربا کی سرحدیں بمبئی تک پھیل گئی ہیں۔''

Akram Allahabadi

"بات تو واقعی حیرتناک ہے۔ میں خود نہیں سمجھ رہا کہ ماجرا کیا ہے، لیکن تم نے ٹانگ نہ گھسیڑی ہوتی تو شاید وہ کچھ اور بولتا۔"

"آپ کا تو ہمزاد ہے، پھر کان پکڑ سکتے ہیں۔"

"وہ خدا جانے کیا بلا ہے۔ ہمزاد تو اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا تھا۔"

"تو کسی مجرم کا بھوت ہوگا، جو آپ کو پریشان کرنے آیا ہوگا۔" بالے سنجیدگی سے بولا۔

"بیسویں صدی میں اُلو کی کھوپڑی لیے پھرتے ہو؟"

"تو پھر کیا کسی جن کا سایہ ہے؟"

وہ جو کچھ بھی ہے، میں اس سے نپٹوں گا، تم جاؤ اپنا کام کرو۔" خان جھنجلا گیا۔

"اچھا اتنا تو بتا دیجیے کہ یہ آپ اکثر چونکا کیوں کرتے ہیں؟"

"یہ پرچھائیں ایک ہفتے سے میرے پیچھے لگی ہوئی ہے، جیسے میری ایک ایک نقل و حرکت کی نگرانی کر رہی ہو۔"

"اب سمجھا۔"

"کیا سمجھے؟"

"کچھ نہیں۔" بالے نے جلدی سے منہ بند کر لیا۔

"نہیں، میں پھر بھی تو سنوں۔"

"آپ کے ہمزاد صاحب بھی شاید سراغرساں بننے کی کوشش فرما رہے رہیں۔" بالے نے کچھ اس معصومیت سے یہ جملہ کہا کہ خان کو ہنسی آ گئی۔

"اچھا اب جاؤ اور میرے چکر میں نہ پڑو۔" خان نرمی سے بولا۔

"خدا نہ ڈالے کسی کو آپ کے چکر میں۔ بقول شاعر۔ عمر تو ساری کٹی کرتے کرتے گزری پولیس میں مومن، ایسے چکر میں کوئی خاک کمشنر ہوگا۔" بالے باہر کی طرف جاتے

Akram Allahabadi

ہوئے بولا۔مگر دروازے پر رک گیا۔اسے کچھ خیال آ گیا تھا۔

''اچھا اتنا تو بتا دیجیے کہ خدانخواستہ کچھ خطرہ وغیرہ تو نہیں ہے آپ کیلیے؟''اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''ہوا بھی تو کیا کرلو گے؟''خان مسکرایا۔

''کم سے کم آپ کی آخری وصیت؟''

''چلو دور ہو جاؤ اب، بہت ہو چکا۔''

بالے باہر تو چلا گیا،مگر اس کا دل مطمئن نہیں ہوا تھا خان کی باتوں سے۔کوئی اور اگر اس سے یہ واقعہ بیان کرتا تو یقیناً وہ اسے خبطی قرار دے کر اس کا مذاق اڑاتا،مگر اس نے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔غلام رسول نے جب اس سے پوچھا تو وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا اور اس وقت تو اسے احساس ہوا کہ خان بھی کیوں ان باتوں کا جواب دینے سے احتراز کیا کرتا تھا۔جواب دیتا بھی تو کیا؟بات نہ تو کسی کی سمجھ میں آتی اور نہ کوئی اس پر یقین کرنے کو تیار تھا۔

''میاں،آخر معاملہ کیا ہوا؟''غلام رسول نے بالے سے پوچھا۔

''وہ اپنے پچھواڑے جو رات کی رانی کا درخت ہے نا۔''بالے نے عقبی سمت میں اشارہ کیا۔

''ہاں،میاں۔''غلام رسول نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس کی سب سے اونچی شاخ کی سب سے چھوٹی کونپل کی پھننگ پر ایک جن رہتا ہے۔جس کا نام رات کا راجہ ہے۔بس اسی کا سایہ ہو گیا ہے اپنے خان صاحب پر۔''بالے نے لہجے میں کسی قدر تعجب کی کیفیت پیدا کر کہا۔

''یا نی جنات کا سایہ؟ میں تو پہلے ہی کہتا تھا،چھوٹے صاحب،کہ صاحب کو کچھ ہوا ہے۔''غلام رسول دانتوں میں انگلی دبا کر بولا۔پھر جیسے اسے جوش آ گیا۔''میں اس سالے پیڑ کو

جڑ سے ہی اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔'' اس نے کہا۔

''آنہاں ہاں ہاں، ایسا نہ کرنا، ورنہ وہ ایک ٹانگ تمہارے سر پر بھی رکھ دے گا اور تم مہالکشمی پر بھٹے بیچتے پھرو گے۔'' بالے نے اسے منع کیا۔

''چھوٹے صاحب، وہ اپنے سیّد شاہ مجید الحسن جن بھوت پریت بھگانے میں بہت ماہر ہیں، ان کے پاس جاؤں؟'' غلام رسول پوچھنے لگا۔

''رات کا راجہ بہت طاقتور قسم کا جن ہے، انھیں بھی الٹا ٹانگ دے گا چنے کے پیڑ سے۔'' بالے نے کہا۔

''تب تو پھر کسی اور بڑے پیر صاحب کو ڈھونڈنا چاہیے۔ وہ شوکت میاں کے بھوپال والے حافظ زیارت علی کو تار دلوا دیجیے۔ ان کے قبضے میں بہت سے جنات بھی ہیں۔'' غلام رسول نے بڑی مخلصانہ رائے دی۔

''اچھا، اچھا، تم جاؤ کام کرو اور خبردار کسی کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ خان صاحب پر چنبیلی کے پیڑ کی کونپل کا جن سوار ہو گیا ہے۔'' بالے نے سرگوشی کے لہجے میں اسے تنبیہہ کی۔

''نہیں، میاں، میں کوئی بیوقوف ہوں؟'' غلام رسول یہ کہہ کر کھسک گیا۔

بالے جیسے ہی پلٹا، خان اسے ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑا نظر آیا۔ وہ چونک پڑا۔ ''ہُم۔ تو مجھ پر چنبیلی کے پیڑ کی کونپل کا جن سوار ہو گیا ہے؟'' خان نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، وہ تو میں، یعنی میرا مطلب ہے کہ غلام رسول...'' بالے بغلیں جھانکنے لگا۔

''کہو تو دو چار تم پر بھی سوار کر دوں۔''

''شکریہ، میری پیٹھ اتنی مضبوط نہیں ہے۔''

خان نے جواب نہ دیا۔ وہ واپس اپنے کمرے میں چلا گیا، مگر بالے کا ذہن الجھا ہی رہا۔ وہ آنکھوں دیکھی اس عجیب و غریب چیز کو کیسے بھول سکتا تھا۔

Akram Allahabadi

رات کو ۸ بجے اسے غلام رسول کے ذریعے خان کا حکم ملا کہ تیار ہو جاؤ، باہر چلنا ہے۔اس وقت وہ فرصت کے موڈ میں برآمدے میں آرام کرسی ڈالے بیٹھا سرد ہوا کے لطیف جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔شوکت دو دن سے پونہ گیا ہوا تھا، ورنہ اس کے ساتھ کہیں تفریح کو نکل گیا ہوتا۔اور خان تو ان دنوں شاید آرام کرنے ہی کے موڈ میں رہتا تھا۔بہر حال اس اچانک حکم نے اسے چونکا دیا۔لباس تبدیل کرن لیے پہلے وہ اس کے کمرے میں جا گھسا۔

''آپ کی تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی؟''اس نے خان سے پوچھا۔

''کون کہتا ہے؟''

''میرا مطلب ہے وہ واقعہ؟''

''کیا تم نے مجھے دودھ پیتا بچہ سمجھ رکھا ہے؟ جاؤ، تیار ہو جاؤ۔آج فرصت ہے، ذرا گھومنے چلیں گے۔''

''خدا خیر کرے، سورج آج مغرب سے نکل رہا ہے۔''

''وہ شمال سے بھی نکل سکتا ہے،تم جلدی کرو۔''خان نے کہا۔

بالے کو تیار ہونا پڑا۔

''کچھ دیر بعد وہ دونوں خان کی کار میں ہی گیٹ وے آف انڈیا کی طرف جا رہے تھے۔

''کیا خیال ہے اگر آج تاج میں چائے پی جائے؟''

''ارے،یعنی یہ آپ کہہ رہے ہیں؟ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔''

''حیرت کی کیا بات ہے؟''

''آپ کو تو ہوٹلی نشستوں سے نفرت ہے۔یعنی بقول خود آپ اسے آوارہ گردی سمجھتے ہیں۔''

''چلو یونہی سہی۔''خان نے کار کو میوزیم کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''ہم صرف چائے پینے جا رہے ہیں وہاں؟''

''آج یہاں بہت سے غیر ملکی معززین ٹھہرے ہوئے ہیں، میں ان کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔''

''یہاں پروگرام بھی بہت اچھے ہوتے ہیں آج کل۔''

''مجھے پروگراموں میں دلچسپی نہیں۔''

''آج تک یہی معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کو کسی چیز میں دلچسپی ہے؟''

''اپنی اپنی پسند ہے، بیٹا۔''

''باسی کڑھی میں ابال نہیں آیا کرتا۔'' بالے منہ بنا کر بولا۔

''نو بکواس۔'' خان نے اسے گھورا۔ بالے نے رخ پھیر لیا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نامعلوم ہمدرد

ان کی کار تاج محل کے باہر ہی رک گئی۔ وہ کار سے اتر گئے۔ بالے کو تو دربان پہچانتا تھا۔ وہ اکثر یہاں آچکا تھا۔ اسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ محکمہ خفیہ کا کوئی افسر ہے، لیکن ایک معزز گاہک کی حیثیت سے اس کا احترام کرتے ہوئے وہ ذرا سا سکڑ کر اسے سلام کرنے لگا۔ اور سر کی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گئے۔ تاج محل اندر سے روزِ روشن کی طرح جگمگا رہا تھا۔

''فرسٹ فلور پر چلیں گے۔'' خان نے اس سے کہا۔

''شاید آپ ڈر کے مارے اس گنجان جگہ پر آئے ہیں؟'' بالے نے طنز کیا۔

''شاید۔''

''پہلی منزل پر وہ سیڑھیاں چڑھ کر دائیں سمت کے ہال میں داخل ہو گئے۔ یہاں کوئی پارٹی تھی، جس میں زرق برق لباس والی بھدی اور حسین جسموں والی عورتیں اور لڑکیاں بھی تھیں۔ اور قیمتی لباسوں والے مرد بھی۔ دروازے پر موجود دو سیاہ سوٹ والے نوجوانوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اندر بالے کو کچھ معززینِ شہر بھی نظر آئے اور اس وقت اس کی سمجھ میں آیا کہ خان بھی اس دعوت میں مدعو تھا۔ مگر خود اس کی حیثیت کیا ہوئی، محض دم چھلے کی، وہ جھنجلا گیا۔

''کم سے کم گھر پر ہی بتا دیتے آپ تو میں ڈنر سوٹ تو پہن کر آتا۔'' وہ بولا۔

''یہاں ڈنر نہیں دیا جا رہا ہے، صرف ہلکی پھلکی جگالی فرما سکتے ہیں آپ۔'' خان نے جواب دیا۔ مگر بالے اس کی طرف متوجہ ہی نہ تھا۔ اس کی نگاہیں اس متناسب اور کھلی رنگت کے سڈول جسم پا پیچھا کر رہی تھیں، جو ابھی ابھی اپنی زلفیں مہکاتا ہوا اس کے قریب سے گزرا تھا۔ بڑی کشش تھی اس کے اندازِ خرام میں۔ شوکت ہوتا تو وہ اس کی لچک کے ساتھ خود بھی لچکنے لگتا۔

Akram Allahabadi

روایت تو یہ تھی کہ شیطان کا نام لو اور وہ موجود، مگر شوکت تو کچھ اس سے بھی تیز رفتار ثابت ہوا۔ بالے نے اس کا تصور ہی کیا تھا وہ اسے نظر آ گیا۔ وہ اپنی نئی لیڈی سکریٹری سمیت پارٹی میں شریک تھا، جس کا مطلب تھا کہ معززین شہر میں اب اس کا شمار ہونے لگا ہے۔

''آپ دیکھ رہے ہیں اس گدھے کو؟'' بالے نے شوکت کی طرف اشارہ کر کے خان کو متوجہ کیا۔

''ہاں۔ دعوت دینے والے مجھ سے کچھ معززین کے پتے پوچھ رہے تھے، میں نے اس کا بھی نام لکھا دیا تھا۔''

''یعنی مع سکریٹری؟''

''اب کوئی دعوتوں میں بھی بے غیرتی سے بن بلائے لوگوں کو ساتھ لے آئے تو میزبان تو نکالنے سے رہے۔''

''اجازت ہو تو مزاج پرسی کروں ان کی؟''

''لیکن آنکھیں بند نہ رکھنا، یہ دعوت ایک سیاسی مقصد رکھتی ہے اور یہاں کچھ ناپسندیدہ لوگ بھی مہذب لباسوں میں ہو سکتے ہیں۔'' خان نے اس کا ہاتھ دبا کر سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''تو گویا یہاں بھی آپ بو سونگھ کر ہی پہنچے ہیں۔ جب ہی تو میں حیران تھا کہ چہ نسبت آپ را با تاج محل ہوٹل۔''

''بکو مت، ہم پر اس وقت بھی کچھ لوگوں کی نظریں ہیں۔''

خان نے کہا اور آگے چلنے لگا۔ اسی وقت ان کے سامنے ایک سنہری بدن کی نوجوان ویٹریس آ کھڑی ہوئی، جو ٹرے میں سینڈوچ لیے ہوئے تھی۔

''ہیوا ٹ، سر۔'' اس نے ادب سے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ خان نے خاموشی سے سر ہلا دیا، مگر بالے نے ایک سینڈوچ اٹھا لیا اور شرارتاً لڑکی کو آنکھ مار دی۔ وہ جھینپی

ہوئی آگے بڑھ گئی۔بالے اسے چبانے لگا۔

''آپ کو نا پسندیدہ لوگوں کی بو کہاں سے مل گئی؟''

''مجھے خصوصاً مدعو کرنے کا مقصد بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔''

''لیجیے، وہ ڈیئر سکھٹ اسی طرف آرہے ہیں، شاید دیکھ لیا ہمیں۔''بالے نے اشارہ کیا۔

''تم نپٹو۔''خان آہستہ سے یہ کہہ کر کترا گیا۔بالے خود ہی شوکت سے بھڑ گیا۔

''ارے خان میاں،تو تم یاں؟''بالے نے اسی کے لہجے میں کہا۔

''اے لو، وئی تو میں پوچھنے آریا تھا۔بھلا پولیس والوں کا داوت ماوت میں کیا کام۔''

''تمہارا میزبان سے کوئی رشتہ ہے؟''

''رشتہ خد ہوگا تمہارا،میرا کائے کو اے لو،کوئی بلائے بیچارہ اِزّت (عزت) سے تو اس میں کائے کی رشتے داری۔''

''میں نے سوچا شاید ہو، کیونکہ تم مع ایک عدد صنفِ نازک کے یہاں دھرے ہوئے ہو۔''بالے کا اشارہ لیڈی سکریٹری کی طرف تھا۔

''میاں خاں، دکھاوے کی دنیا ہے۔سکریٹری رکھنے سے آدمی کی شان ڈبل ہو جاتی ہے۔''شوکت ن کسی قدر اکڑ کر کہا۔پھر اس نے اپنی لیڈی سکریٹری کو بلایا۔

''سکریٹری۔''

''یس،سر۔''وہ جلدی سے قریب آگئی۔

''ان صاحب کو پہچانا تم نے؟''اس نے بالے کی طرف رخ کر کے اس سے پوچھا۔

''ان کو کیوں نہ پہچانوں گی بھلا۔''سکریٹری نے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''یانی کیا مطلب؟''شوکت چونک پڑا۔

''آپ کے خاص دوست جو ہیں۔''وہ کہتے کہتے مسکرادی۔بالے بھی مسکرادیا۔ شوکت کی کھوپڑی گھوم گئی۔

''کوئی خاص ماص نہیں ہیں،بس دوست ہیں۔یانی آپ کو بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''وہ جل کر بولا۔

''یس،باس۔''سکریٹری نے نے چہرے پر مصنوعی گھبراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔شاید وہ اس کی غیر متوازن کھوپڑی سے چند دنوں میں ہی اچھی طرح واقف ہوگئی تھی۔

''میاں خاں،تم سے پرائیوٹ بھی کچھ باتیں کرنے کا ہے۔''شوکت نے بالے کو ایک نشست کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔سکریٹری بھی ساتھ آنے لگی،مگر اس کے گھورنے پر الگ جا بیٹھی۔بالے شوکت کے ساتھ ایک خالی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟''بالے نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر خان کو تلاش کرتے ہوئے کہا۔خان اسے ایک غیر ملکی آدمی سے ہال کے درمیان کھڑا گفتگو کرتا نظر آیا۔

''یار یہ سکریٹریوں کا املا اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیوں؟''

''سالیں ہر کسی سے آنکھیں لڑانے لگتی ہیں۔یانی کتیا اپن پالیں اور سالی دروازہ دوسرے کا سونگھے۔''

''تو کوئی مرد سکریٹری رکھ لو۔''

''اے لو،تو پھر کائے کی شان رہی۔''

''تو پھر برداشت کرو۔''

''ہوشت،کون سالہ مرد ایسی بات برداشت کرسکتا ہے۔اندر سے تو میرا خون کھول ریا ہے۔ابھی سالی تھوڑی دیر پہلے اس مصری آدمی سے...وہ جو سالہ ۸ فٹ دس انچ کا کھمبا کھڑا

ہے نا، ادھر دو آدمیوں کے ساتھ، اس سے ہنس ہنس کے باتیں کرنے لگی تھی۔"

"ہنس ہنس کے باتیں کرنا تو جرم نہیں ہے۔"

"تم تو سالے بھوت نئی روشنی کے ہونا۔ اپنی بیوی کو بھیج دو گے دوسرے کے ساتھ گھومنے؟" شوکت نے پوچھا۔

"میں تو اسی لیے بیویوں کا جھنجھٹ ہی نہیں پالتا، مگر وہ کونسی تمہاری بیوی ہے، سکریٹری ہی تو ہے، تنخواہ دار۔"

"یار میں نے اسے پسند کر لیا تھا۔"

"تب تو تم ڈبل احمق ہو۔"

"اچھا ہاں جاؤ ہوں۔ لو سالے مشورا دینے کی بجائے گالیاں دینے لگے۔"

"بس یہی بات تھی بہت ضروری۔" بالے نے خان سے کچھ فاصلے پر کھڑے ایک آدمی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ خان کو گھور رہا تھا۔

"ارے خان صاحب بھی آئے ہیں۔" شوکت کی بھی نظر پڑ گئی۔

"ہاں، کیوں؟"

"مگران کو تو کچھ ہو گیا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

وہ سالا شموا کے ریا تھا، اسے شاید غلام رسول نے بتایا تھا۔"

"میں کہوں گا اس گدھے سے۔"

"مگران پر تو کسی جنات منات کا سایہ ہو گیا تھا نا؟"

"نہیں، ایک پری کا سایہ ہو گیا تھا۔"

"ہوشت۔"

"ہاں بھئی، نوچندی جمعرات کو آسمان سے سبز پری کا تخت گزر رہا تھا۔ خان

صاحب اس وقت برآمدے میں سو رہے تھے۔ وہ دیکھتے ہی چاروں ہاتھ پاؤں سے عاشق ہو گئی اور اپنا سایا اتار کر خاں صاحب پر کھینچ مارا، وہی خان صاحب کے گلے میں اٹکا ہوا ہے۔''

''مجھے تم نے کیا بیوقوف سمجھا ہے، ایسا سایا ہوتا ہے کہیں؟'' شوکت جھنجلا گیا۔

''تو اور کیسا ہوتا ہے؟ دیکھ لو یہاں کتنی لڑکیاں پہنے ہوئے ہیں۔''

''اے لو، میں تو جن من کے سائے کی بات کر رہا ہوں۔''

''جن سایا کیسے پہن سکتے ہیں؟ پاجامہ ہو تو ایک بات بھی ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ اب تم سے کون بحث کرے سالا۔''

اسی وقت اچانک ہال میں شور سا ہونے لگا۔ بالے اور شوکت دونوں چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھیڑ اسی جگہ جمع ہو رہی تھی، جہاں خان کھڑا ہوا تھا۔ بالے بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب پہنچ گیا۔ خان تو اسے صحیح سالم کھڑا نظر آیا، مگر اس کے قریب ہی ایک زردرو پست قد بیرا زمین پر بیہوش پڑا تھا۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور لوگ وجہ دریافت کرنے کیلیے ایک دوسرے سے سوالات کر رہے تھے۔ خان کے ساتھ کھڑا ہوا غیر ملکی مہمان بھی حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ خان کسی گہری سوچ میں تھا۔ سوالوں کا جواب اس غیر ملکی نے دیا۔

''خدا جانے کیا ہوا۔ ہم لوگ کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ پیچھے ہمیں اس بیرے کے گرنے کی آواز آئی اور بس۔'' اس نے بتایا۔

''میں نے اسے اس طرح اچھل کر گرتے دیکھا، جیسے کسی نے اس کے جبڑے پر بڑا مضبوط گھونسا مارا ہو۔'' پاس کھڑے ہوئے ایک آدمی نے بتایا۔

کیا؟'' خان کا منہ کھل گیا۔

''جی ہاں۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی کا گھونسا اچانک اس کے جبڑے پر پڑا ہو اور وہ اچھل کر گر پڑا۔ یہ آپ کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ شاید آپ سے کچھ کہنے جا رہا تھا۔'' وہ بتانے لگا۔ خان ان الفاظ پر چونکا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ بیرے کا ایک ہاتھ اس کی جیب میں تھا۔

Akram Allahabadi

خان نے اس کا ہاتھ باہر کھینچا، تو سب چونک پڑے، اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پتلی سرنج تھا۔ سرنج بہت چھوٹا تھا، اس کی سوئی بھی بہت باریک تھی۔ خان نے اس کی انگلیوں سے سیرنج نکال کر دیکھا اور پھر اسے احتیاط سے رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا۔

بیرا بیہوش تھا۔ خان نے بالے کی طرف دیکھا، وہ اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ وہاں سے تیزی سے کھسک کر فوراً دروازے پر پہنچ گیا۔ اس وقت ایک سفید سوٹ والا کسی قدر سرخ رنگت کا آدمی باہر نکل ہی رہا تھا کہ بالے اس کے سامنے آ گیا۔

''براہ کرم آپ اندر ہی تشریف رکھیے۔ ابھی کوئی باہر نہیں جا سکتا۔'' بالے نے دونوں ہاتھ دروازے کی چوکھٹ پر لگاتے ہوئے کہا۔

''مگر میں باہر نہیں، صرف لیٹرین میں جا رہا ہوں۔ مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے سے پیشاب آنے کا مرض ہے۔'' اس آدمی نے اجازت طلب انداز میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے آپ کو کچھ دیر تو رکنا ہی پڑے گا۔'' بالے نے انکار کر دیا۔

''آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے؟'' وہ آدمی جھنجلا گیا۔ اس نے چاہا کہ بالے کو ایک ہاتھ سے دھکیل کر باہر نکل جائے، مگر بالے کا گھٹنا اس کے پیٹ پر پڑ گیا اور وہ پیٹ پکڑ کر جھک گیا۔

''آئی ایم ساری، مسٹر۔ یہ زبردستی خود آپ نے ہی شروع کی تھی۔'' بالے معذرت طلب کرنے لگا، مگر اس وقت اس نے دیکھا کہ اس آدمی کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس کا چہرہ بڑا خوفناک ہو گیا۔

''یو سوائن۔'' وہ گھونسا تان کر اٹھا، مگر اس سے پہلے ہی بالے کا گھونسا اس کی ناک پر بیٹھ گیا اور وہ تیورا کر گر پڑا۔ بالے نے جیب سے ہتھکڑی نکال کر اسے پہنا دی، لیکن اس بیرے کا معاملہ ایک معمہ بن گیا۔ جس آدمی کو بالے نے گرفتار کیا، وہ نیپال کے ایک تجارتی مشن کا ایک رکن تھا۔ مشن کا سربراہ بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے اس گرفتاری پر احتجاج کیا، مگر خان نے

اسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ضروری کاروائی کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا۔اس نے کیونکہ ایک پولیس آفیسر سے زبردستی سے پیش آنا چاہا،اس لیے انھیں مجبوراً گرفتار اس ملک میں قانون کا احترام کرانے کیلیے یہ رویہ اختیار کرنا پڑا۔

بیرے کو اس واقع اور سرنج سے متعلق تحقیقات کیلیے حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اسے ہوش میں لے آیا گیا تھا،مگر اس نے ایسی چپ سادھ لی تھی کہ ایک سوال کا بھی جواب نہیں دے رہا تھا۔ہوٹل کے انتظامی عملے کے ہیڈ بیرے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ بیرا ہوٹل کا مستقل ملازم نہیں ہے،بلکہ وقتی ضرورت کیلیے بھرتی کیے جانے والے تربیت یافتہ بیروں میں اسے چار دن قبل لیا گیا تھا۔گوناگوں پروگراموں کی وجہ سے ان دنوں ہوٹل کو زیادہ بیروں کی ضرورت تھی۔اس بیرے نے اپنا نام لال سنگھ بتایا تھا۔نسلاً نیپالی معلوم ہوتا تھا۔کچھ پڑھا لکھا بھی تھا۔

''مگر خان یہ معاملہ کیا ہوا؟''شوکت نے بالے سے پوچھا۔

''لوگ کہتے ہیں خان صاحب کی پشت پر وہ بیرا کچھ کرنے جا رہا تھا کہ ایک غیبی گھونسے نے اس کا جبڑا توڑ ڈالا۔''بالے نے بتایا۔

''اے لو،اور اب بھی تم کسی جن کا سایہ نہیں مانتے؟''شوکت نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

''میں اس جنم میں نہیں مان سکتا،اس لیے کہ تم جنسی مغالطہ کر رہے ہو۔''

''کاہے کا مغالطہ؟''شوکت کی سمجھ میں نہ آیا۔

''اگر میں کہوں شوکت بھائی آپ بڑی وہ ہیں،تو کیا کہو گے تم؟''

''ہوشت۔میں کوئی صنفے ناجک،لاحول ولاقوۃ،نازک ہوں جو تم ایسا بولو گے۔''

''تو پھر کوئی جن سایا کیسے پہن سکتا ہے؟لنگوٹ،پاجامہ،پتلون بولتے تو ایک بات تھی۔''

''میاں خاں،وہ پرچھائیں والے سائے کی بات کر رہا تھا یہاں۔''

''ایسا۔''بالے نے منہ کھول کر کہا۔''تب تو بڑا بیوقوف تھا میں۔'

''اور میں تو کیا، سالے سارجنٹ بھی جانے کیسے بن گئے اللہ جانے۔''شوکت برا سا منہ بنا کر بولا۔اس کی سکریٹری ہنس پڑی۔

''آپ کائے کو ہنسیں، یہ کوئی ہنسنے کی بات تھی سالی؟''شوکت نے برا مانتے ہوئے کہا۔

''تو کیا رونے لگتی؟''وہ جھنجلا گئی۔

''جاؤ تیل لینے تم بھی۔''شوکت بڑبڑاتا ہوا وہیں بیٹھ گیا۔

''چلو، بالے۔''خان نے بالے کو آواز دی۔

تمام موجود لوگوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ان دونوں قیدیوں کر لے کر روانہ ہو گئے اور پارٹی ایک عجیب سے تذبذب اور بدمزگی کے عالم میں ختم ہو گئی۔

☆☆☆☆☆

ان دو گرفتاریوں کے صرف ایک گھنٹے کے بعد ہی خان نے دو آدمی اور چھاپہ مار کر گرفتار کر لئے۔ایک تو ''بین الاقوامی دوستی کی انجمن'' کی اس سالانہ تقریب کا انتظام کرنے والی کمیٹی کا ایک مقامی ممبر تھا۔اور دوسرا ایک موٹر ڈرائیور، جو اس ممبر کے بیان پر گرفتار کیا گیا تھا۔

خان اس تمام کام سے فارغ ہو کر رات کو ۱۱ بجے واپس لوٹا۔ وہ بہت مطمئن نظر آرہا تھا۔ مگر بالے ذہنی الجھن میں گرفتار تھا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بال بال بچے

فرصت سے بیٹھتے ہوئے خان کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔ بالے نے یہی موقع غنیمت سمجھا۔

''اب مجھے بھی کچھ پوچھنے کا حق ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''فرمایئے۔'' خان نے کہا۔

''یہ گڑبڑ سب کیوں ہوئی؟''

''اس لیے کہ ایک پڑوسی ملک کے جاسوسوں نے یہاں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا ہے۔'' خان نے کہا۔

''آپ کا الہام ہوا ہوگا؟''

''نہیں، جب سے اس ملک کے باشندوں پر نگرانی رکھنے کی سرکاری ہدایات جاری ہوئی ہیں، تب سے چند مشتبہ لوگ انڈر گراؤنڈ ہو گئے ہیں۔ مجھے ان کی تلاش تھی، اسی دوران مجھ پر ان جاسوسوں کی موجودگی کا انکشاف ہوا۔ ایک مشتبہ غیر ملکی کی گرفتاری سے ہی مجھے یہ علم ہوا کہ ان جاسوسوں کا لیڈر ایک ایسا آدمی ہے جو نیپال میں کافی عرصے تک رہ چکا ہے۔ اس لیے نیپالی سمجھا جاتا ہے اور وہ ایک معزز حیثیت سے یہاں اس وقت بھی موجود ہے۔ چنانچہ پرسوں جب اس سالانہ تقریب کی دعوت دینے والوں کے پاس موجود مدعوئین کی فہرست میں میں نے نیپالی تجارتی مشن کے دو آدمیوں کے بھی نام دیکھے، تو خواہ مخواہ مجھے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ میری شرکت کیلیے مجھ سے اصرار کیا جا رہا تھا۔'' خان نے مختصراً بتایا۔

''تو گویا آپ کو راستے سے ہٹانے کا پلان تھا۔''

''وہ تقریب نہیں، وہ تو ہر سال منائی جاتی ہے اور اس کے منتظمین سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ کسی ایسی سازش میں ملوث نہیں ہو سکتے۔'' خان نے بتایا۔

''اس طرح تو آپ بال بال بچ گئے۔''

''ہاں۔ مجھے اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔''

''محسن، کون؟''

''تم نہیں سمجھو گے۔''

''مت بتایئے، اس میں سرخاب کے پر لگے ہوں گے۔''

''جو کچھ بھی سمجھو۔''

''اس سیرنج میں کیا تھا؟''

''اس میں پوٹیشیم سائنائٹ کا محلول تھا۔''

''یعنی باقاعدہ بیڑہ غرق ہو رہا تھا آپ کا۔''

''ظاہر ہے کہ انھیں سب سے زیادہ خطرہ مجھ سے ہو سکتا ہے۔''

''تو یہ چاروں آدمی ہی سارے فساد کی جڑ تھے؟''

''ان کے باقی دو آدمیوں کا بھی پتا چل گیا ہے، ڈیسوزا انھیں گرفتار کر لیں گے۔''

''ان کا لیڈر وہی ہو گا، جس کی میں نے مرمت کی تھے؟''

''ہاں۔''

''چلیے، خس کم جہاں پاک۔''

''ہاں، ان کا سر شروع میں ہی کچل دیا گیا۔ اب وہ دوبارہ ایسی جرأت نہ کریں گے۔''

''لیکن وہ آپ کا محسن؟''

''کوئی بھی ہے، لیکن تمہارے پہنچنے تک تو میرا قصہ بھی ختم ہو گیا ہوتا۔''

Akram Allahabadi

''میں برابر آپ پر نگاہیں رکھے تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ کوئی ایسی خطرناک بات ہونے والی ہے۔''

''رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔''

''آپ نے فارسی میں کچھ کہا ہے؟''

''میں نے جھک ماری ہے، اب آپ اپنا کام کیجیے۔''

''سبحان اللہ، سبحان اللہ۔'' بالے منہ ہی منہ میں کہتا ہوا اس سے الگ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

یا حیرت

تقریباً آدھی رات کو اچانک بالے کی آنکھ کھل گئی۔ گفتگو کی آواز خان کے کمرے سے آ رہی تھی۔ حالانکہ بالے کے سامنے وہ تن تنہا اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بالے کی عقل ان دنوں چکرائی ہوئی تھی۔ ایسے واقعات جنہیں عقل تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو، لیکن جنہیں آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہو، اچھے خاصے آدمی کو پاگل بنانے کو کافی تھے۔ وہ گون پہنے بغیر آہستہ سے اپنے کمرے کا دروازہ بھیڑ کر نکلا اور خان کے کمرے کے دروازے کے ہول سے کان لگا کر سننے لگا۔ خان کسی سے کہہ رہا تھا۔

''تم نے یقیناً آج میری جان بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے، مگر کیوں؟'' اسے اپنے الفاظ کا کوئی جواب نہیں ملا۔ بالے دروازے سے ہٹ کر کھڑکی پر پیر رکھ کر روشندان تک پہنچ گیا اور اندر جھانکنے لگا۔

اندر برقی بلب روشن تھا، لیکن اسے دیواروں پر دو سائے نظر آئے، ایک خان کا سایہ تھا جو اس کے روشنی اور دیوار کے درمیان ہونے کی وجہ سے دیوار پر پڑ رہا تھا، لیکن دوسرا سایہ اس کی داہنی سمت کی دیوار پر نظر آ رہا تھا۔ بالکل ویسی ہی پرچھائیں، جو روشنی کے سامنے ہونے پر کسی وجود کے عقبی سمت میں گرتی ہے۔ وہ اسی پرچھائیں سے مخاطب تھا۔

''آخر تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ کیا تم کسی کی روح ہو، یا میری زبان نہیں سمجھ سکتے؟'' خان نے اس بار جھنجلا کر پوچھا۔ اسے پھر بھی جواب نہ ملا۔ پرچھائی اسی طرح غیر متحرک رہی۔

''آج تم نے میری جان ضرور بچائی ہے، لیکن تم نے میرا دماغ بھی خراب کر رکھا ہے۔ میں ذہنی کوفت کو عذاب سمجھتا ہوں۔ اگر تم کچھ بتانا نہیں چاہتے تو پیچھے کیوں لگے ہو؟ چلے

Akram Allahabadi

کیوں نہیں جاتے ؟'' خان کی جھنجلاہٹ اور شدید ہو گئی۔

''ہر کام اپنے وقت پر مناسب ہوتا ہے۔'' اچانک ایک گونجتی سی مگر مدھم آواز سنائی دی۔ وہ یقیناً اسی پر چھائیں کی آواز تھی۔ فرطِ حیرت سے بالے کے جسم میں کچھ ایسی سنسنی کی لہر دوڑی کہ اس کے ہاتھ چھوٹ گئے اور وہ دھڑام فرش پر آ گرا۔ اس کے گرنے کی آواز رات کے سناٹے میں اندر سن لی گئی۔ گفتگو وہیں رک گئی اور دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ خان باہر نکل آیا۔ بالے اٹھ کر بھاگنا چاہتا تھا کہ پکڑ لیا گیا۔

وہ بھیگی بلی کی طرح کان دبائے قریب چلا آیا۔

''یہ کیا حرکت ہے؟''

''آپ کے کمرے سے آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔''

''تمہیں چوری چھپے باتیں سننے کی کیا ضرورت تھی؟''

''میری عقل چکرا کر رہ گئی ہے۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے کوئی خطرہ وطرہ نہیں ہے، مفت میں پریشان ہونے کی کوشش مت کرو۔''

''سبحان اللہ، کیا حسنِ ظن ہے۔ گویا میں کوشش کر رہا ہوں پریشان ہونے کی؟''

بالے کا منہ بن گیا۔

''جاؤ سو جاؤ۔'' خان سمجھانے والے انداز میں یہ کہہ کر پلٹا۔ بالے کچھ اور نہ بولا اور سر جھکائے اس محیر العقل واقعے کے بارے میں سوچتا سوچتا اپنے کمرے میں واپس چلا آیا۔ وہ بجلی کا سوئچ آن ہی چھوڑ گیا تھا۔ کمرے میں گھستے ہی اچانک اسے کچھ محسوس ہوا جیسے اس کے علاوہ وہاں کوئی اور بھی ہو۔ اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا۔ ویسے نظروں کو تو کچھ نظر نہ آیا۔ وہ چونکا چونکا سا اپنے بستر پر آ بیٹھا۔ اسی وقت اس کی نظر دروازے پر پڑی اور اسے اچانک خیال آیا کہ دروازہ تو اس نے بند کیا ہی نہ تھا، پھر آپ سے آپ کیسے بند ہو گیا۔ اس کے

ذہن الجھنے لگا۔پھر وہ اس شبے میں پڑ گیا کہ خود اسی نے بے خیالی میں بند کر دیا ہو گا۔اس کے ذہن کی یہ کرید بڑھتی گئی، بالآخر اس سے صبر نہ ہوا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے دروازہ پھر سے کھول دیا۔اب کی بار وہ بستر کے بجائے آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا، لیکن لیٹتے ہی وہ اچھل کر دور جا پڑا۔اسے ایسا محسوس ہوا وہ کسی بڑے نرم گدے پر لیٹا تھا۔حالانکہ وہاں کرسی کی کینوس نظر آ رہی تھی۔اس کی کھوپڑی چکرانے لگی۔کہیں یہ ان حیرتناک واقعات کا ذکر تو نہیں ہے، جسے اس کے ذہن میں واہموں نے فروغ دیا ہو۔دوبارہ وہ یہ سوچ کر اس کرسی پر ڈرتے ڈرتے بیٹھا، تو اسے کچھ بھی خلافِ معمول نہ محسوس ہوا۔اور جھنجلا کر اس نے اپنے ہی سر پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔اس نے سوچا اب عقل ٹھکانے آ گئی ہو گی۔اس لیے بستر پر جا لیٹا۔لیٹتے ہی اسے خیال آیا کہ دروازہ تو کھلا ہی چھوڑ دیا ہے۔آنکھ لگ گئی تو کھلا ہی رہ جائے گا۔وہ اسے بند کرنے اٹھا، تو سلیپر اسے کرسی کے پاس پڑے نظر آئے۔پھر ایک کرنٹ سا اس کے سارے جسم میں دوڑ گیا۔سلیپر تو اس نے ابھی پلنگ کے نیچا تارے تھے، وہاں کیسے پہنچے؟ لاحول ولاقوۃ۔ اس نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔بڑے گھونچو ہو یار بالے صاحب۔ذہن میں ننگے پیر بستر پر آ گئے اور اب الٹی سیدھی سوچ رہے ہو۔اس نے دروازہ بند کیا اور روشنی کا سوئچ آف کر دیا۔ کھڑکی کا پرہ نصف ہٹا کر وہ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔کمرے میں تاریکی تھی۔باہر ایسا بھیانک سکون مسلط تھا، پتا بھی کھڑکتا تو آواز سنائی دیتی۔پلنگ پر لیٹے لیٹے ٹھیک اس وقت اسے نیند کی جھپکی آ رہی تھی۔اچانک اس نے کچھ عجیب سی بات محسوس کی۔اسے اپنے تنفس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، مگر اس نے اور غور سے سنا، یہ آواز دہری کیوں تھی؟ اس کی آنکھوں سے نیند اچھل کر بھاگ گئی اور کان کھڑے ہو گئے۔اس کے تنفس کی دہری آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔بالکل جیسے کوئی قریب ہی بالکل اسی طرح سانس لے رہا ہو، یا جیسے خود اس کے نرخرے سے تنفس کی ڈبل آواز نکل رہی ہو۔اسے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے معلوم ہوئے اور ایک سرد لہر اس کے سارے جسم میں دوڑتی چلی گئی۔خدایا، یہ خان صاحب کا ہمزاد اب کیا میرے پیچھے

لگا ہے۔اس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔اس نے جلدی سے اٹھ کر سوئچ آن کر دیا اور اس کی روشنی میں اپنے سائے کے علاوہ دوسری پرچھائیں تلاش کرنے لگا۔مگر اسے اپنی پرچھائیں کے سوا دوسری کوئی پرچھائیں نہ نظر آئی اور اس کے خیالات نے پھر پلٹا کھایا۔کہیں یہ سب کچھ اس کے واہمے کی تخلیق ہی تو نہیں ہے۔وہ شاید خان والے واقعے سے بہت متاثر ہو گیا ہے۔ممکن ہے روشندان سے گرنے کی وجہ سے مغز کا کوئی اسکرو ہی ڈھیلا ہو گیا ہو۔ایک عجیب سی شش و پنج میں دیر تک وہ کمرے کے وسط میں کھڑا سوچتا رہا۔پھر اس نے اپنے خیالات کو اسی نقطے پر مستحکم کر لیا۔اس نے سوئچ آف کر دیا اور پھر بستر پر جا لیٹا۔اس بار اس نے طے کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو، وہ اپنی نیند قربان نہیں کرے گا۔اس نے چادر تان لی۔نیند سے پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں، وہ سو گیا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو غلام رسول باہر سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔بالے نے چونک کر دیکھا، کمرے میں روشنی آن تھی اور دروازہ اندر سے بند تھا۔اسے یاد آ گیا کہ رات وہ بتی بجھا کر سویا تھا، یا کہیں اس نے غنودگی کے عالم میں یہ نہ سوچا ہو کہ اس نے بتی بجھا دی ہو۔اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔مگر خان کے سامنے پہنچ کر اس نے ان باتوں کا کوئی ذکر نہ چھیڑا۔وہ اس کی نظروں میں مذاق بننا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆

آج تاج محل ہوٹل کی گرفتاریوں کے سلسلے میں خان کو وزارتِ داخلہ کے سکریٹری سے ملنا تھا۔کیونکہ ان گرفتاریوں سے کچھ معاملات بھی وابستہ تھے۔خان کو جلدی گھر سے نکلنا پڑا۔اس نے بالے کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ سیدھا دفتر چلا جائے، کیونکہ ممکن ہے خان کو سکریٹریٹ میں کافی وقت لگ جائے۔بالے کیلیے یہ فرصت کا اعلان تھا۔اس نے سوچا شوکت کی خیریت پوچھتا چلے۔اس کی کوٹھی راستے ہی میں تھی۔کار خان لے گیا تھا۔اس لیے اسے اپنی

موٹر سائیکل استعمال کرنی پڑی۔ وہ جیسے ہی اس کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا، اسے کچھ ہلچل سی نظر آئی۔ شوکت کے نوکر ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ بالے کی موٹر سائیکل دیکھ کر شمو اندر جاتے جاتے رک گیا۔ وہ بالے کو سلام کرنے لگا۔

''کیوں بھئی، خیریت تو ہے؟ یہ اتنی سرگرمی کیوں نظر آ رہی ہے یہاں، کیا کچھ مہمان آ گئے ہیں؟'' بالے نے اس سے پوچھا۔

''میاں، مہمان ویمان تو نہیں، البتہ سرگرمی ضرور ہے۔'' شمو نے ادب سے کہا۔

''وہ کیسی؟'' بالے نے موٹر سائیکل پورٹیکو کی دیوار سے لگا کر کھڑی کرتے ہوئے پوچھا۔

''میاں کے سر پہ گرمی چڑھ وڑھ گئی ہے۔'' شمو نے کہا۔

''غصے میں ہیں؟'' بالے باتیں کرتا برآمدے میں چلنے لگا۔

''اللہ جانے میاں، کل رات سے ایسی ایسی باتیں ہو رہی ہیں کہ اپنے تو مغز پے پتھر سے پڑ گئے ہیں۔''

''کیا ہوا آخر؟ اچھے خاصے تو نظر آ رہے ہو۔''

''میاں، مجھے ہوتا تو اللہ قسم اس ہونے والے کو بھی میں چھٹی کا دودھ یاد کرا دیتا، مگر وہ تو میاں کو ہوا ہے۔''

''کیا؟''

''اب اصل بات تو لقمان خان ہی بتا سکتے ہیں۔ کوئی بولتا ہے آسیب ہوا ہے، کوئی بولتا ہے بھوت موت لپٹ گیا ہے اور اپنا کریم باورچی تو کہتا ہے کہ کسی نے صاحب پر جادو کر دیا ہے۔''

''کہاں ہے وہ؟''

''اندر کمرے میں۔''

Akram Allahabadi

''کیا بند کر رکھا ہے کمرہ؟''

''میاں، میں ایک مولوی صاحب کو بلا کے لایا تھا، اسی پہ ناراض ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ اب آواز دو تو اندر سے گالیاں دیتے ہیں۔''

''چلو میں کھلواتا ہوں۔''

☆☆☆☆☆

شمو کے بجائے جب بالے نے دروازہ ٹھونکا، تو شوکت اندر سے حلق پھاڑ کر چیخ اٹھا۔

''سالو، ایک ایک کو لات مار کر شیر سے بھار (باہر) نکالوں گا۔ مجھے کیا پاگل سمجھا ہے۔''

''میاں، دروازہ کھولیے، دیکھیے کون آیا ہے۔''

''نہیں کھولتا بے جا، چاہے تیرا باپ بھی آیا ہو۔''

''ڈیئر سکھٹ۔'' بالے نے باہر سے آواز لگائی۔

''اے لو، آپ بھی آن مرے سالے۔'' شوکت نے اس کی آواز پہچان کر اندر سے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ مگر شمو کو دیکھتے ہی اس پر پھر غصہ سوار ہو گیا۔

''تو پھر سامنے آیا ہے صورتِ حرام۔'' وہ اسے مارنے دوڑا۔

''میاں، اللہ قسم اب کبھی نہیں آؤں گا۔ میاں معاف کر دیجیے۔ حضور مائی باپ۔'' شمو نے جلدی سے ہاتھ جوڑ لیے۔ ''میاں، آپ تو نواب دوست محمد خان کے پڑپوتے ہیں، میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں۔'' وہ خوشامد بھی کرتا جاتا تھا۔

''تو سالہ نقطے (نقطہ) نا تحقیق، میں تیری ناک میں تتیا مرچیں پیس کے گھسیڑاؤنگا۔ ابے او کریم خاں، یہاں آؤ ذرا۔''

''میاں، میں بھوت الو کا پٹھا ہوں۔میاں، مجھے معاف کردو نا۔پھر تم کائے کے جاگیر، جوا اتنا بھی نہیں کر سکتے۔''شمو جھنجلا گیا۔

''اے لو، بیٹا اب میری اصلیت پہ شک فرما رہے ہیں۔''شوکت نے برا سا منہ بنا کر بالے کی طرف دیکھا۔''یانی یہ منہ اور مسور کی دال۔''

بالے نے دیکھا شوکت کا دماغ بہک رہا تھا۔اسی لیے شمو کو بچانے کیلیے بات اپنے اوپر لے لی۔

''تم بڑے غلط سلط محاورے استعمال کرتے ہو۔''اس نے غصہ دلا کر شوکت کو اپنی طرف الجھا لیا۔

''ہاں جاؤ میری جتی، میں کچھ بھی استعمال کرتا ہوں، تم سالے کون سے خدائی فوجدار صاحب ہو۔''

''مگر اس بیچارے کی کمبختی کیوں آئی ہے آخر؟''

''ابھی بتاؤں گا تو تم خود دو جوتے مارو گے اسے۔سالہ چڑی کا اٹھا ہے پورا۔''

''بتاؤ تو پہلے۔''

''آپ کو کہیں سے سردار الہام ہوا تھا؟''

''سردار الہام آدمی کا نام ہے۔''

''اے لو، یانی الفاظ ہی نہیں بولو آدمی کا نام ہے تو۔صدرالدین بھی تو نام ہوتا ہے۔سالا پھر ہندوستان کو کائے کو صدر جمہوریا بولتے ہیں؟''شوکت بحث پر اتر آیا۔

''خیر، خیر، میں تمہاری قابلیت تک تو پہنچ نہیں سکتا۔ہاں تو کیا کہا تھا شمو نے؟''

بالے نے بحث کو ٹالتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کچھ وہم ہو گیا تھا۔یہ سالے سمجھے کہ میرے اوپر کسی کا سایہ ہو گیا ہے۔سالہ جیسے ان کے باپ کا ہی سایہ ہوا تھا۔پہلے تو ادھر ادھر کی ہانکتے رہے پھر کہیں سے ایک ملا جی کو پکڑ

کرلائے۔ان سب سالوں نے مجھے زبردستی پکڑ لیا اور اسی ملاجی نے میرے اوپر سے آسیب بھگانے کیلیے مجھے مرچوں کی دھونی دی۔میاں خاں، میرا کھانس کھانس کے برا حال ہوگیا ہے۔''

''بیچاروں نے وفاداری کے جذبے ہی سے کیا ہوگا نا۔''

''اے لو، وفادری کے جذبے سے سالے مجھے پھانسی دیدیں تو میں پھانسی چڑھ جاؤں؟''

''اچھا خیر، اندر تو چلو، ذرا میں بھی تو سنوں کیا واہمہ ہوگیا تھا تمہیں؟'' بالے نے اسے کمرے میں واپس لے جاتے ہوئے کہا۔شمو کی جان چھوٹی تو وہ سیدھا کریم خاں کی ہی خبر لینے بھاگا۔اسی نے شمو کو یہ مشورہ دیا تھا کہ 'میاں یوں نہیں مانے تو زبردستی ان کا آسیب اتروانا چاہیے'۔

''کیا وہم ہوا تھا تمہیں؟'' بالے نے انتہائی سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

''اللہ جانے کائے کو ہوا تھا، مگر مجھے رات سے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی چپکے چپکے میرا پیچھا کر رہا ہو۔ایک مرتبہ تو میں نے پلٹ کر گالی بھی دے دی۔'' وہ بتانے لگا۔

''کچھ کیا ہوگا تم نے جب ہی تمہیں کسی کے پیچھا کرنے کا خوف معلو، ہو رہا ہوگا؟''

''ارے نہیں، میاں خاں، میں نے خود ایک بار جھٹکے سے پلٹ کے اس کی پرچھائیں دیکھی تھی، جو میرے پلٹتے ہی غائب ہوگئی۔''

''پرچھائیں؟'' بالے چونکا۔

''ہاں۔پھر سوتے وقت مجھے ایسا لگا جیسے کوئی چپکے سے گڈ نائٹ کہہ رہا ہو۔میں خوب چیخا، مگر کوئی جواب نہیں ملا۔پھر میں نے دروازہ کھولا تو سالا کچھ بھی نہیں تھا وہاں۔''

''شوکت بھائی، یہ کوئی دوسرا ہی چکر ہے۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا مطلب؟ کیا کوئی سالا میرے پیچھے لگا ہے؟''

Akram Allahabadi

"یہ نہ ابھی میری سمجھ میں آیا ہے، نہ تمہاری سمجھ میں آئے گا۔"

"اے لو تو کیا فالتو فنڈ کے جاسوس ہو تم؟"

"سر دست یوں ہی سمجھ لو۔"

"وہ تو میں پہلے ہی سمجھتا تھا، میاں خان صاحب کو دعائیں کہ تمہیں قائل بنا دیا۔"

"کیا بنا دیا؟"

"نہیں، میں شیر سے (شعر) سے مثال دے رہا ہوں۔"

"میں اس بارے میں خاں صاحب سے ہی پوچھ کر تمہیں بتاؤں گا۔"

"بالے بھائی۔" وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ "کسی دشمن کا پراسرار سایہ تو نہیں لگا میرے پیچھے؟"

"دشمن کی پتلون ہوتی تو مان لیتا، سایہ تو دشمنی کی مادہ کا ہو سکتا ہے۔" بالے نے جواب دیا۔

"لاحول ولاقوۃ۔ یہ یانی کہ آپ مذاق اڑا رہے ہیں میرا؟"

"میں نے کہا نا کہ میں خان صاحب سے پوچھ کے تمہیں جواب دوں گا۔"

"ایسی بھوت خاص بات ہے کیا اس میں؟"

"بہت۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہے۔"

"تب تو ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔" شوکت سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں، میں اب جاؤں گا۔"

"میں بھی چلوں تمہارے ساتھ۔" شوکت اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد دونوں پولیس ہیڈ کوارٹرز کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈبل خان

خان اپنے آفس میں موجود تھا۔ وہ دونوں اندر پہنچے تو انھوں نے اسے میز پر بیٹھا کاغذات دیکھنے میں مصروف پایا۔ وہ مطمئن اور بشاش نظر آرہا تھا، کہ جیسے اس کے ذہن پر کسی واقعے کا ذرّہ بھر اثر نہ ہو۔ بالے نے سلامی دی اور شوکت کی سلام الیکم۔ اس کا جواب ایک خوشگوار مسکراہٹ سے دیتے ہوئے خان نے انھیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ بالے کیلیے خان کا رویہ خلافِ توقع سے زیادہ مشفقانہ تھا۔ نہ جانے کون سے موڈ میں تھا وہ۔

''ہاں بولو کیا بات ہے؟'' خان پہلے شوکت ہی سے مخاطب ہوا۔

''بات تو سالی بھوت الٹی سیدھی ہے، بالے بھائی سے پوچھ لیجیے۔'' شوکت نے بالے پر بات ٹال دی۔

''کیوں، کیا میں تمہارا دلال ہوں؟''

''ہوشت۔ زبان سنبھالو، میاں خاں۔ میں کوئی وہ ہوں، یانی کہ فاحشا (فاحشہ) ماہشا۔'' شوکت کو یہ دلال والا لفظ بڑا ناگوار گزرا۔

''خدا کے ہاں جب عقل تقسیم ہو رہی تھی اس وقت تم کہاں تھے؟'' بالے نے جل کر اسی سے سوال کیا۔

''اور تم کہاں تھے؟'' شوکت نے بھی وہی سوال اس سے کر ڈالا۔

''میں تو وہیں اٹینشن کھڑا تھا۔'' بالے نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ جس پر خان ہنس پڑا۔

''میں بھی کھڑا تھا جاؤ۔'' شوکت نے اکڑ کر جواب دیا۔

''اچھا اچھا، پہلے بتاؤ تم کیا کہنے آئے تھے؟''

Akram Allahabadi

''سالا عجیب واقعہ ہوا ہے میرے ساتھ..''شوکت نے کہنا چاہا۔

''اور میرے ساتھ اس واقعے کا بھی باپ ہوا ہے۔''بالے نے زبان کاٹ دی۔

''اب تم ہی بول لو۔''شوکت غصہ بھلا کر خاموش ہو گیا۔

''میں تمہارا وکیل ہوں کیا؟''

''کہنے دو انھیں، بالے۔''خان نے بالے کو گھورا۔بالے غصہ بنا کر خاموش ہو رہا اور شوکت اپنی واردات سنانے لگا، خان مسکراتا رہا۔

''پڑوسیوں کا بیان ہے کہ رات ان کے کمرے میں کسی بھینسے کے ڈکرانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔''شوکت کے خاموش ہونے پر بالے نے اپنی طرف سے اضافہ کیا۔

''وہ سالے پڑوسی بھی بنڈل اور تم بھی بنڈل۔''شوکت اس پر پلٹ پڑا۔

''وہاں سالا بھینسا کہاں سے آ گیا بھلا؟''

''میں کیا جانوں، میں تو سنی سنائی کہہ رہا ہوں۔''

''تیل لینے گئی تمہاری سنی سنائی، خان صاحب، ان کو سمجھا دیجیے آپ، میں اب بھوت انسلیٹ نہیں برداشت کر سکتا۔''

''اور تم کیا کہنے جا رہے تھے؟''خان نے شوکت کی بات ان سنی کر بالے سے پوچھا۔

''میں ڈر رہا تھا کہ آپ میرا مذاق اڑائیں گے، مگر اب تو میں اکیلا ہی نہیں رہا۔ میرے ساتھ بھی رات عجیب سے واقعات پیش آئے ہیں، جنھیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں۔''بالے نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔پھر اس نے تمام واقعات بیان کر ڈالے۔خان خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔پھر وہ ہنس دیا۔اس کی ہنسی بڑھتے بڑھتے قہقہے میں تبدیل ہو گئی اور بالے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔اس نے ایسی بے ساختگی سے خان کو ہنستے کبھی نہیں دیکھا تھا۔شوکت بھی حیران سا ہو گیا۔اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ خان اس طرح کیوں ہنس رہا ہے؟

Akram Allahabadi

''مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ آپ میرا مذاق اڑائیں گے۔'' بالے کا منہ لٹک گیا۔

''مگر کوئی بات بھی ہو، اپنے سائے سے تو بیوقوف ہی لڑتے ہوں گے۔'' خان نے کہا۔

''تو گویا آپ کو یقین نہیں آرہا ہے؟''

''تم لوگ کہتے ہو تو چلو یقین کیے لیتا ہوں، مگر اور کسی سے نہ کہنا۔'' خان مسکرا کر بولا۔

''میں قسم کھا سکتا ہوں۔'' بالے نے احتجاج کیا۔

''تم گھانس بھی کھا سکتے ہو، میں نے تمہاری اس اہلیت سے کب انکار کیا ہے۔'' خان کا لہجہ اب بھی پر مذاق تھا۔

''چلو، شوکت بھائی، یہاں اپنی سنائی نہیں ہوگی۔'' بالے نے شوکت کا بازو تھا۔

''تو کیا ہوا، اللہ میاں تو سب کی سننے والا ہے۔'' شوکت بھی برا مان کر بولا۔

''تو اب تم لوگ اللہ میاں کے پاس جا رہے ہو؟'' خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہم جہنم میں جا رہے ہیں، آپ ہماری فکر نہ کیجیے۔'' بالے کا لہجہ اکتایا ہوا تھا۔

''بہتر ہے، شوق سے تشریف لے جایے، لیکن ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد۔'' اسے خان کا جواب ملا۔

''دیکھ لیا، شوکت بھائی، اسی لیے بڑے بوڑھے کہہ گئے ہیں کہ دنیا میں کسی کا کوئی نہیں۔'' شوکت کو ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے بالے بولا۔

''میاں خاں، پولیس والے سب ایسے ہی ہوتے ہیں، تم بھی کچھ کم نہیں ہو۔'' شوکت آہستہ سے بولا۔

خان نے سن بھی لیا، مگر مسکراتا رہا۔ وہ دونوں آفس سے نکل کر نیچے آ گئے۔

''بالے بھائی، خان صاحب کا حساب آج اپنے پلے نہیں پڑا۔'' شوکت نے کہا۔

Akram Allahabadi

''اپنی بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے آج باس کا موڈ۔'' بالے بھی سوچ میں پڑ گیا۔

وہ نیچے آکر ڈیسوزا کے آفس کی طرف گھوم ہی رہے تھے کہ بالے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔شوکت نے دیکھا تو اس کا بھی دماغ چکرا گیا۔

ان کے سامنے سپرنٹنڈنٹ خان اپنی کار سے اتر رہا تھا۔

''یا خدا، ہم کیا پاگل ہو گئے ہیں، یا یہ خان صاحب کا بھوت ہے؟'' بالے نے سر پکڑ کر شوکت سے کہا۔

''اپن کو ضرور اپنا دماغ معائنا (معائنہ) کرانا چاہیے۔'' شوکت نے مشورہ دیا۔

''چلو ذرا اور غور سے اور قریب سے دیکھیں۔'' بالے آگے بڑھا۔

مگر خان ان دونوں کو اس طرح قریب سے اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر رک گیا۔اس مسخرے پن پر ہنسی آگئی، لیکن بالے یا شوکت کے چہرے کی حیرت زدہ کیفیت میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہوئی۔

''کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تم لوگوں کا؟'' خان نے انھیں ٹوکا۔

''شاید کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔'' بالے نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''شاید کائے کو، یقینی ہوا ہے۔'' وہ اپنے اور بالے کے حق میں دعا کرنے لگا۔

''بات کیا ہے آخر؟'' خان نے جھنجلا کر پوچھا۔

''آپ ... آپ سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خان ہی ہیں نا؟'' بالے نے اٹکتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا مطلب؟'' خان چونکا۔

''یانی ان کے کوئی جڑواں بھائی مائی تو نہیں ہیں آپ؟'' شوکت بھی بولا۔

''آپ کا وزن کیا ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''کیوں؟''

Akram Allahabadi

''آپ کا قد کتنا ہے؟'' بالے نے دوسرا سوال بھی کر ڈالا۔

''تمہارے سر سے ناپ کر بتاؤں؟'' خان نے غصے میں آتے ہوئے کہا۔

''آپ ناراض ہو رہے ہیں یہاں ہمارے دماغ پھٹ پڑنے کیلیے تیار ہیں۔''

''آخر یہ ممکن کیسے ہے؟ اس محکمے میں بیک وقت ایک کے دو سپرنٹنڈنٹ خاں ہو جائیں۔'' بالے سنجیدگی سے بولا۔

''جی ہاں، پھر ناک نقشہ بھی وہی، ہاتھ پیر اور اونچ نیچ سب وہی۔'' شوکت نے بھی بالے کی بات کو سہارا دیا۔ اور خان ان کے اس سنجیدہ تخاطب پر خود بھی کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ ایک لمحے بعد اس نے سر اٹھا کر ان سے پوچھا۔

''کہاں دیکھا ہے تم نے؟''

''اوپر۔'' بالے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آپ کے آفس میں، آپ کی میز پر۔ ہم بھی وہیں سے ان سے باتیں کر کے آ رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''اور تمہیں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا؟''

''ایک انچ نہیں، یا نی ذرا، بلکہ رتی برابر نہیں، کیوں بالے بھائی؟'' شوکت نے کہہ کر بالے سے تائید چاہی۔

''اگر ایسا ہوتا تو آپ کو دیکھ کر ہمیں کیسے حیرت ہوتی؟''

''عجیب بات ہے۔ اچھا آؤ میرے ساتھ۔'' خان نے کہا اور جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ شوکت اور بالے بھی سوچ میں ڈوبے ہوئے اس کے پیچھے تھے۔

آفس کے دروازے پر اردلی موجود تھا، وہ ایک طرف ادب سے ہٹ گیا، لیکن اب اس کے چہرے پر خان کو دیکھ کر کوئی حیرت کے آثار نہیں پیدا ہوئے۔ خان اندر داخل ہو گیا، مگر وہاں تو میز خالی تھی اور کاغذات ڈھنگ سے رکھے تھے۔ خان نے شوکت اور بالے کی طرف پلٹ کر چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

Akram Allahabadi

''تو آپ لوگ مجھ سے مذاق فرما رہے تھے؟''اس نے ترش لہجے میں ان سے کہا۔

''اللہ قسم۔سور کا منہ جو ایسا ہم نے سوچا بھی ہو۔ہم ابھی ابھی ان سے بات کر کے یہاں سے گئے ہیں۔''شوکت نے جلدی سے کان تھام کر قسم کھائی۔

''یہ بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔''بالے نے ایک ہاتھ اٹھا کر قسم کھانے والے انداز میں کہا۔

''تو پھر اسے زمین کھا گئی یا آسمان میں اڑ گیا۔''خان سنجیدہ ہو کر بڑبڑایا۔اسی وقت اسے چپراسی کا خیال آ گیا۔اس نے گھنٹی بجائی۔چپراسی فوراً اندر آ پہنچا اور مؤدب کھڑا ہو گیا۔ خان نے ایک بار بالے اور شوکت کی طرف دیکھا،پھر اس سے پوچھا۔

''کیا یہ دونوں ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے؟''اس نے سوال کیا۔

''جی؟''چپراسی بڑی زور سے چونکا۔''حضور،آپ سے ہی تو باتیں کر کے گئے تھے ابھی بالے صاحب۔''وہ بولا۔

''کتنی دیر کی بات ہے؟''

''صاحب،زیادہ سے زیادہ دس منٹ ہوئے ہونگے۔ان کے جاتے ہی تو آپ آفس سے نکل کر چلے گئے تھے۔''چپراسی نے حیرت زدہ لہجے میں بتایا۔وہ سمجھنا چاہتا تھا کہ صاحب شاید ان لوگوں کے ساتھ کوئی مذاق کر رہا ہے،مگر خان کا سنجیدہ اور کسی قدر تشویش زدہ موڈ کو دیکھ کر وہ خود بھی حیران ہو رہا تھا۔

''ٹھیک سے دیکھو،یہی لباس پہنے تھا میں؟''

''جی ہاں،حضور،دس بجے آپ اسی لباس میں تو آفس آئے تھے۔''چپراسی نے کہا۔

''لو اور سن لو۔''خان نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا تم جاؤ۔''خان نے چپراسی کو اشارہ کیا۔وہ شش و پنج میں پڑا سر جھکائے باہر چلا گیا۔

Akram Allahabadi

''تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔'' خان بڑبڑایا۔

''کیسی نوبت؟'' بالے آگے جھک کر بولا۔

''سمجھ تو خود میں بھی نہیں سکا ہوں ابھی، تمہیں کیا خاک سمجھاؤں۔''

''کہیں یہ وہی آپ کے ہمزاد صاحب ہی تو نہیں تھے؟'' بالے نے سوچتے سوچتے چونک کر پوچھا۔

''پہلے تو معاملہ صرف پرچھائیں تک تھا اور اب...'' خان کہتے کہتے سوچ میں کھو گیا۔

''ہم لوگ بھی تو بتانے آئے تھے آپ کو، کل میرے ساتھ بھی عجیب عجیب واقعات پیش آئے ہیں۔'' بالے نے کہا۔

''اور میرے ساتھ بھی۔'' شوکت بھی خاموش نہ رہا۔

''کیا؟ سناؤ مجھے؟'' خان کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ دونوں بھی بیٹھ گئے۔ بالے نے اپنا اور شوکت کا واقعہ اسے سنا دیا۔ وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔

''خدا جانے کیا چکر ہے یہ، زندگی میں ایسی حیرتناک باتیں نہ تو کبھی سنی تھیں نہ دیکھی تھیں۔'' خان نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کہا۔

''کوئی سالا جادو ماد وتو نہیں کر رہا ہے ہم تینوں پر۔'' شوکت نے رائے دی۔

''کچھ بھی کہو، مگر یہ پاگل کر دینے والے واقعات ہیں۔ ہمیں اپنے ذہن پوری طرح قابو میں رکھنے ہونگے۔'' خان نے ان دونوں کو ہدایت کی۔

''کوئی ہم پر ہپناٹزم تو نہیں کر رہا ہے؟'' بالے نے کہا۔

''تم گدھے ہو۔ مفعول جب تک سجیشن قبول کرنے کو تیار نہ ہو تب تک کوئی ہپناٹزم اثر نہیں کر سکتا۔''

''اور وہ گوگیا پاشا سلامت جو سالے صندوق سے پورا آدمی غائب کر دیتے ہیں؟''

Akram Allahabadi

شوکت نے جواز پیش کیا۔

''وہ سب ٹرک (Trick) ہے۔'' خان نے کہا۔

''تو یہ بھی ٹرک ہو سکتی ہے؟'' بالے بولا۔

''نہیں، یہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ کچھ عجیب سی انہونی بات۔'' خان نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں تو پاسپورٹ بنوا کے حج کو چلا جاتا ہوں۔'' شوکت گھبرا کر بولا۔

''بیوقوفوں جیسی باتیں نہ کرو۔ سر دست تمہیں کوئی نقصان تو پہنچ نہیں رہا ہے۔ خاموشی سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مطالعہ کرو۔'' خان نے نصیحت کی۔

''سنا شوکت بھائی، تمہیں مطالعہ کرنا چاہیے۔ تم بہت غلط سلط زبان بولتے ہو۔''

''جاؤ میاں خاں، خان صاحب کا یہ مطلب تھوڑی ہے۔''

''خود پوچھ لو۔''

''چپ رہو بالے۔ یہ بے ہودگیوں کا موقعہ نہیں۔ ان واقعات کی تہ میں کوئی ضرور چونکا دینے والی بات چھپی ہوئی ہے۔'' وہ بولا۔ ''تم لوگ گرد و پیش پر نظر رکھو اور کوئی بات بھی خلاف معمول ہو اور سمجھ میں نہ آئے تو مجھے فوراً خبر کرو۔'' خان نے انھیں ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔'' بالے سنجیدگی سے بولا۔

''اور دیکھو، یہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہاں میری جگہ کوئی اور موجود تھا۔'' اس نے انھیں ہدایت کی۔

''تم بھی سن لو شوکت بھائی۔'' بالے نے شوکت کو بھی احساس دلایا۔

''اے لو، میں کوئی عقل سے پیدل ہوں کیا۔'' شوکت برا مانتے ہوئے بولا۔

''تم شوکت کو پہنچا کر یہاں واپس آجاؤ، میں تب تک یہیں ہوں۔'' خان نے اسے ہدایت کی اور بالے شوکت کو لے کر باہر نکل گیا۔

Akram Allahabadi

''یار بالے بھائی، اپنے پلّے تو کچھ بھی نہیں پڑا۔''

''اور نہ انشاءاللہ پڑے گا، کیونکہ تم پیدائشی بوکھل ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''بوکھل فارسی میں سیدھے اور سچے آدمی کو کہتے ہیں۔'' بالے نے بتایا۔

''میں پوچھوں گا کسی ہیڈ ماسٹر سے۔'' شوکت نے اس پر اعتبار نہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہیڈ ماسٹر سے کیوں، کسی چانسلر سے پوچھ لینا۔''

''ہوشت۔ یہاں چانس مانس کی کیا بات ہے۔ اب میاں خاں، مجھے غصہ مت دلاؤ۔''

''شوکت بھائی، تم اپنے غصے کو جیب میں ہی رکھو، خدا جانے ہم لوگ اس سرائے فانی میں کتنے دنوں کے مہمان ہیں۔ ہنسی خوشی ہی گزار لیں تو اچھا ہے۔'' بالے نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''تو کیا تم جلدی جانے والے ہو؟''

''کیا بھروسہ۔''

''میں نے تو سنا ہے کہ پولیس والے سالے پنشن لے کے سو پچاس برس زندہ رہتے ہیں؟'' شوکت نے کہا۔

''تم نے داہنے کان سے سنا ہوگا۔''

''اچھا وہ تمہاری سرائے فانی سالی تیل لینے گئی۔ تم یہ بتاؤ کہ یہ ڈبل خان صاحب کا چکر کیا ہے؟''

''کوئی بہت بڑا چکر ہی معلوم ہوتا ہے۔''

''یا نی کچھ جاسوسی ماسوسی کا؟''

''اور کوئی بات کرو، یہ چکر جب خود خان صاحب کو چکرائے ہوئے ہے تو ہمارا شمار

کس گنتی میں ہیں۔"

"ارے لو، تو گویا سارے ارسطو فرسطو سالے ایران میں ہی پیدا ہوئے ہیں۔" شوکت نے تمثیلاً طنز کیا۔

"کم از کم تمثیل تو ڈھنگ سے بولا کرو۔ ارسطو یونان کا فلاسفر تھا۔" بالے نے تصحیح کی۔

"میں نے بھی خالی خولی مثال ہی دی تھی، کوئی تاریخ کا امتیان تمھیں دے دیا تھا۔" شوکت اس تنقید کا برا مان گیا۔

"اچھا تم آفس پر ہی اتر جاؤ، مجھے واپس جانا ہے ابھی۔"

"میں کائے کو اتر جاؤں۔ تم خود اتر جاؤ۔ سبحان اللہ، یانی کار میری اور رآب (رعب) آپ کا۔"

"رکھ لو اپنی کار، میں ٹیکسی میں چلا جاؤں گا۔ اچار ڈالنا سالی کا۔" بالے نے اسی کے انداز میں اسے جھاڑا۔

"ہاں جاؤ ڈالوں گا، میری جوتی۔"

اور واقعی بالے کو ٹیکسی پر ہی واپس جانا پڑا۔ ویسے بھی اسے اس وقت شوکت کی کار کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ صرف اسے ستا رہا تھا۔

وہ جب واپس آفس پہنچا تو اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، کیونکہ جب اس نے خان کا آفس خالی دیکھ کر چپراسی سے پوچھا تو چپراسی اسے سر سے پیر تک حیرت سے دیکھنے لگا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" بالے نے اسے اس طرح دیکھتے دیکھ کر سوال کیا۔

"صاحب، آج مذاق کے موڈ میں ہیں شاید آپ۔" وہ ہمت کر کے بولا۔

"کیا مطلب؟" بالے سنجیدگی سے بولا۔

"یعنی ابھی پانچ منٹ پہلے تو آپ خود سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ساتھ یہاں سے

گئے ہیں اور خود ہی ان کا پتا پوچھ رہے ہیں۔'' چپراسی نے کہا۔

''کونسے سپرنٹنڈنٹ؟''

''صاحب کے ساتھ، خان صاحب کے ساتھ۔'' چپراسی اس کی اس درجہ سنجیدگی پر حیران ہو کر بولا۔

''تمہارا دماغ تو صحیح ہے؟'' بالے کو اس پر غصہ سا آ گیا۔

''صاحب، میں کیا آپ سے مذاق کرنے کی ہمت کروں گا۔''

''مگر میں تو شوکت صاحب کو چھوڑنے گیا تھا، ابھی واپس آ رہا ہوں۔'' بالے نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

''بھگوان نہ کرے آپ کو کچھ ہو تو نہیں گیا ہے؟'' چپراسی کی عقل خود چکرانے لگی۔

''اور اگر میں یہی ہمدردی تمہارے ساتھ فرماؤں تو؟''

''صاحب، میں جھوٹ بول رہا ہوں تو آپ نیچے کسی سے پوچھ لیجیے۔'' چپراسی بیچارہ بے بسی سے بولا۔ اس وقت بالے کی عقل واقعی چکرا گئی۔ وہ تیزی سے نیچے اترا۔ نیچے آفس کے باہر ہی پانڈورنگ اور اسماعیل دو محکمۂ خفیہ کے حوالدار کھڑے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر اٹینشن ہو گئے۔

''تم لوگ کب سے یہاں کھڑے ہو؟'' بالے نے ان سے پوچھا۔

''جب سے آپ خان صاحب کے ساتھ گئے تھے، ہم جب سے ہی یہاں کھڑے ہیں۔'' اسماعیل نے بتایا۔

''کچھ بات ہوئی کیا، صاحب؟'' پانڈورنگ نے خوشامداً پوچھا۔

''کتنی دیر ہوئی ہوگی مجھے خان صاحب کے ساتھ گئے؟'' بالے نے دوسرا سوال کیا۔

''بہت سے بہت دس منٹ۔'' اسماعیل نے جلدی سے کہا۔

Akram Allahabadi

''تم لوگوں کی بینائی تو ٹھیک ہے نا؟ تم نے مجھے ہی خان صاحب کے ساتھ جاتے دیکھا تھا؟'' بالے نے دوبارہ تصدیق کیلیے سوال کیا۔جس پر دونوں مذاق سمجھ کر ہنس پڑے۔

''صاحب، آپ نے ہی تو ہمارے سلام کا جواب دیا تھا۔خان صاحب تو کسی خیال میں کھوئے ہوئے تھے۔'' پانڈورنگ نے کہا۔بالے نے اپنا سر تھام لیا۔

''مگر بات کیا ہے، صاحب؟'' اسماعیل نے پوچھا۔

''میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' بالے نے جھنجلا کر کہا اور راستے سے گزرتی ایک ٹیکسی روکی۔پانڈورنگ اور اسماعیل حیرت سے اس کی یہ حرکتیں دیکھتے ہی رہ گئے۔ان کی سمجھ میں ہی کچھ نہ آیا۔

بالے کو اس وقت بنگلے پر پہنچنے کی جلدی تھی۔اس کے ذہن کو ایک ہی سوال بڑی طرح جھنجوڑ رہا تھا۔'کیا اس کے ساتھ بھی وہی ہوا ہے جو خان کے ساتھ ہوا ہے'۔اور یہ سوچتے سوچتے اس کی دماغی لہر ایک نئے موڑ پر پہنچ گئی۔اسے معاً یہ خیال گزرا کہ ضرور کوئی پراسرار مجرم یا گروہ کسی گہری سازش کا جال بچھا رہا ہے اور خان صاحب اور خود اس کی شکل کے میک اپ کر کے ان کے ڈپلی کیٹ بھیجے گئے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ اس گروہ کی امتیازی برتری کا نفسیاتی اثر ان دونوں پر ڈال سکیں، بلکہ اس طرح شناخت وعدم شناخت کا امتحان بھی ہو جائے اور اس خیال کے آتے ہی اس نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔اس نے تہیہ کرلیا کہ اس کا ہم شکل جہاں اس کو نظر پڑا وہ مار مار کر اس کا کچومر بنا دے گا۔کچھ دیر ذہن میں یہی اشتعال کارفرما رہا پھر ایک دوسرے خیال نے اس کی جگہ لے لی۔اس نے سوچا ممکن ہے یہ کوئی پراسرار چکر خود خان نے ہی کسی وجہ سے چلایا ہو اور اسے یہ خیال زیادہ ترین حقیقت معلوم ہوا۔کیونکہ خان نے ان واقعات کا نہ کسی سے تذکرہ کیا تھا اور نہ کسی ردِعمل کا اظہار، بلکہ اس نے خود بالے اور شوکت سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کا تذکرہ کہیں نہ کریں۔بہر حال حقیقت جو کچھ بھی ہو، وہ اسے جلد از جلد جان لینا چاہتا تھا، کیونکہ اس کے دماغ میں کشمکش جاری تھی۔اس کے خاتمے کے بغیر طبیعت کا

سکون پانا ناممکن تھا۔

ٹیکسی اس نے گیٹ کے باہر ہی رکوادی اور بل چکا کر اسے رخصت کرتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔سب سے پہلے مالی اسے دیکھ کر چونکا۔وہ کام کرتے کرتے اٹھ کھڑا ہوا۔بالے بھی رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''صاحب، آپ تو ابھی اندر تھے؟'' مالی نے پوچھا۔

''ہاں، میں ذرا ہوا کھانے نکل آیا ہوں۔'' بالے نے جواب دیا۔مالی کے ان الفاظ نے اس کا رہا سہا شک بھی دور کر دیا۔اتنی بہت سی آنکھیں یقیناً دھوکا نہ کھا سکتی تھیں۔وہ برآمدہ طے کر کے سیدھا اندر گھس گیا۔مگر اس کی آنکھیں چوندھیا گئیں، جب اسے اپنے سامنے ڈرائنگ روم میں ایک دوسرا بالے بیٹھا نظر آیا۔سرمو فرق نہ تھا۔وہ کپڑے بھی اسی کے پہنے ہوئے تھا۔بالے کو دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تشریف لایئے، بالے صاحب۔'' اس نے ذرا سا جھک کر خوشگوار لہجے میں کہا۔

''میں... میں بالے صاحب، تو پھر آپ کون صاحب ہیں؟'' بالے نے ہکلا کر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''میں بھی بالے صاحب ہوں۔''

''کمال ہے۔یعنی ایک نہ شد دو شد۔''

''تھوڑی سی تصحیح اور، یعنی دو بٹا شد۔'' دوسرا بالے بولا۔

''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے کون پاگل ہے۔'' بالے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''یا تو دونوں، یا دونوں نہیں۔'' دوسرے بالے نے جواب دیا۔

''آپ ٹیکے کہاں سے ہیں؟'' بالے نے پوچھا۔

''آسمان سے۔''

Akram Allahabadi

''یعنی براہِ راست؟''

''آپ جس طرح چاہیں، سمجھ لیں۔''

''پتھر سمجھ لوں۔ مجھے تو یہ دنیا عجائب خانہ نظر آ رہی ہے۔'' بالے چاروں طرف دیکھ کر بولا۔

''اس میں کیا شک ہے۔ یہ دنیا ایک عجائب خانہ ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اپنی ولدیت بھی فرما دیجیے؟'' بالے نے منہ چبا کر پوچھا۔

''اصولاً تو وہی ہونی چاہیے جو آپ کی ہے۔'' دوسرے بالے نے قطعی مطمئن اور سرد لہجے میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن بالے کی کھوپڑی میں گرمی بڑھ چکی تھی۔ اسے اپنا مدِ مقابل کوئی بہت بڑا فراڈ معلوم ہو رہا تھا۔

''اگر میں آپ کی حجامت فرما دوں تو؟''

''ظاہر ہے کہ مجھے بھی وہی کرنا ہوگا جو آپ کریں گے۔''

''آپ کوئی بہت بڑے فراڈ ہیں۔'' بالے نے کہا۔

''آپ جو نظریہ میرے بارے میں قائم کریں گے، یہی آپ کے بارے میں بھی قائم کیا جائے گا۔'' دوسرے بالے نے جواب دیا۔

''اور اگر میں آپ کو اوّل درجے کا گدھا تسلیم کروں تو؟''

''شوق سے۔ آدمی خود کو جس قدر چاہے، گالیاں دے سکتا ہے، اس پر کوئی اخلاقی پابندی نہیں ہے۔''

''تو پھر لیجیے یہ مطلع عرض ہے۔'' بالے نے یہ کہتے کہتے اچھل کر ایک گھونسا اس کی ناک پر مارا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا گھونسا کسی پتھر کے مجسمے پر پڑا ہو۔ اسے اپنا ہی ہاتھ تھام لینا پڑا۔ دوسرا بالا بدستور مسکرا رہا تھا۔

''اب مقطع میں عرض کیے دیتا ہوں۔'' دوسرے بالے نے یہ کہتے ہوئے ایک گھونسا

بالے کی ناک پر رسید کیا اور بالے کو اپنی کھوپڑی راکٹ بن کر ہوا میں اڑتی معلوم ہونے لگی۔ وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اسی وقت بیک وقت دو قہقہے سنائی دیے۔ اس کی بند ہوتی ہوتی آنکھیں کھل گئیں اور پھر فرطِ حیرت سے پھیلتے پھیلتے دوبارہ بند ہونے لگیں۔

اس کے سامنے ڈرائنگ روم کے عقبی دروازے میں ایک ساتھ دو خان کھڑے تھے۔ فرق کا سوال ہی نہ تھا۔ نہ صرف دونوں کے قہقہے ہم آواز تھے، بلکہ ان کی آنکھوں میں یکساں چمک تھی۔ اور بعد میں ان قہقہوں کی جگہ ایک پراسرار مسکراہٹ نے لے لی۔

''یا خدا، یہ میں کوئی بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔'' بالے بڑبڑایا۔

''خواب بھی اتنے حیرتناک نہیں ہو سکتے۔'' اسے خان کی آواز سنائی دی۔

''اس دنیا میں ضرور کچھ ہونے والا ہے۔ جب ایک کے دو نظر آنے لگیں تو حضرت آدم کی چھٹی ہی سمجھنی چاہیے۔''

''گھبراؤ نہیں، آخر ہم بھی تو دو ہیں۔'' خان نے ہنس کر کہا۔

''آپ ساڑھے تین بھی ہوتے تو مجھے اعتراض نہ تھا، لیکن یہ میرا رقیب روسیاہ کہاں سے آ گیا؟'' بالے نے دوسرے بالے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میں تمہارا ہمزاد ہوں، سارجنٹ۔'' دوسرے بالے نے ہنس کر کہا۔

''میں نہیں مانتا۔ یہ ضرور خان صاحب کا ہی کوئی چکر ہے۔'' بالے نے شبے کی نظر سے خان کو دیکھ کر کہا۔

''یہ چکر نہیں حقیقت ہے برخوردار۔ اس وقت تمہارے سامنے تمہارے بشمول دو خان اور دو بالے موجود ہیں۔''

''ٹھہریے میں اخبار والوں کو ذرا ٹیلی فون کر دوں۔ وہ آپ کی اس حقیقت کو ضرور فی الحقیقت بنا دیں گے۔''

''نہیں، اب تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ ہمیں ایک بہت دور کے مشن پر روانہ ہونا

ہے۔'' خان نے کہا۔

''اوہ، تو اسی لیے آپ نے اپنے اور میرے ڈپلی کیٹ تیار کیے ہیں؟'' بالے نے گویا سارا راز سمجھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، واقعی یہ ہمارے ہمزاد ہیں۔'' خان ہنس کر بولا۔

''دیکھیے، خدا کیلیے میری عقل میں رہا سہا بھوسہ باقی رہنے دیجیے، ورنہ میں خود سیدھا تھانے پہنچ جاؤں گا۔''

''یہ ایک بڑی دلچسپ بات ہے، تم سنو گے تو خود بھی حیرت سے اچھل پڑو گے۔''

''جی میں پہلے ہی کئی کئی فٹ اچھل چکا ہوں، مزید گنجائش نہیں ہے۔'' بالے نے معصومیت سے کہا۔

''تو پھر بیہوش ہو جانا، لیکن اس کیلیے تمہیں آج کی رات اور انتظار کرنا پڑے گا۔'' خان دوسرے خان کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کیوں؟ کیا آج رات ہمارے نمبر تین بھی پیدا ہونے والے ہیں؟''

''نہیں، ہمارا تیسرا ساتھی ہم سے آ ملے گا اور اس کے بعد...''

''اس کے بعد نقل چھوڑ کر اصل جنت کو سدھاریں گے۔'' بالے نے بات کاٹ دی۔

''بالکل یہی بات۔'' دوسرا خان بول اٹھا۔ ''تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔''

''میں جا رہا ہوں۔'' بالے پلٹا۔

''کہاں؟'' خان نے آواز دی۔

''آج کی رات کسی مسجد میں گزار کر توبہ استغفار کروں گا اور سویرے چوپاٹی سے کود پڑوں گا۔''

''خیر، سر دست تم کہیں نہیں جا سکتے۔ جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ۔'' خان کا لہجہ تحکمانہ

ہوگیا۔بالے واقعی اس عجیب صورتِ حال سے پریشان ہوگیا۔اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا اور اسے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ کہیں وہ واقعی پاگل تو نہیں ہوا جارہا ہے۔اسے اس وقت صرف ایک ہی حرکت سوجھی اور یہ کہ یہاں سے بھاگ جائے۔

''میں جاتا ہوں۔'' وہ چیخا اور دروازے کی طرف بھاگا، مگر اس وقت تک دوسرا بالے اس کے پیر میں پیر اڑا چکا تھا۔بالے دھم سے زمین پر آرہا۔خان نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اس کے کمرے میں بند کردیا۔

''اب چیخو یہاں سے، جس قدر جی چاہے۔'' وہ باہر سے بولا۔

''میں دیواروں سے سر پھوڑلوں گا۔'' بالے اندر سے چیخا۔

''شوق سے۔''

''میں آپ پر جبس بیجا کا مقدمہ چلاؤں گا۔''

''وہ بھی کرلینا۔''

''آپ خان صاحب نہیں ہیں، کوئی پکے فراڈ ہیں۔''

''بکے جاؤ۔''

''خدا میری طرح آپ کو بھی پاگل کردے۔''

''آمین۔'' خان نے ہنس کر باہر سے کہا۔

''یا خدا، مجھ الّو کے پٹھے کو عقلِ سلیم عطا فرما کہ میں اس گورکھ دھندے کو سمجھ سکوں۔'' وہ اندر دعائیں مانگنے لگا۔اور باہر خان کے قہقہے گونجتے رہے۔دو خان اور ایک بالے کے۔

☆☆☆☆☆

ابے شمو، کھانا کس کا لے جارہا ہے؟'' شوکت نے آفس سے واپسی پر اندر گھستے ہوئے اپنے ملازم سے پوچھا۔آج وہ دیر سے آفس سے لوٹا تھا۔

Akram Allahabadi

''میاں کیلیے لے جا رہا ہوں، یار۔کھانے پینے کی چیز میں مت ٹوکا کر۔'' شمو نے شوکت کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''چپ بے سالے، کون یار؟ تیرا باپ یار؟ سالا اپنے مالک سے بے تکلف بن رہا ہے۔'' شمو سے شوکت نے غصے میں آ کر اسے ڈانٹا۔

شمو نے شوکت کی آواز غور سے سن کر چونک پر پیچھے دیکھا اور اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

''اے لو، یہاں کھانا مانگ کے آپ نے کپڑے بھی پہن لیے۔'' وہ بولا۔

''تو کیا میں ننگا دفتر گیا تھا اور سالے کھانا تیرے کس باپ نے مانگا ہے؟'' شوکت اس پر بگڑ گیا۔

''اللہ قسم میاں آپ نے ہی تو ابھی مانگا تھا۔'' شمو نے حیرت سے کہا۔

''ابے پھر چرس پی ہے کیا؟''

''میاں، مالک ہو کے جو چائے کے (کہہ) مگر اب اپن سے یہ ایڑا پن برداشت نہیں ہوتا اور مجیں تو کہیں سائیس کی نوکری تو مل ہی جائے گی۔'' شمو نے بھی غیرت میں آ کر کھانے کا طشت ایک طرف میز پر رکھ دیا۔

''سالے، ایڑا پن کس کا کر رہا ہے تو، عقل تو ٹھکانے ہے تیری، مجیں تو منگاؤں اپنی بارہ بور۔''

''اور کیا، میاں، اب گولی مارنے کی ہی کسر رہ گئی ہے، وہ بھی مار لو، کائے کو حسرت رہ جائے۔ شمو کی جان تو فالتو فنڈ کی ہے، نوکر جو ہوں آپ کا۔'' شمو نے بھی جھنجلا کر کہا۔

''ابے اخروٹ کے بھتیجے۔ سالے، چرس مجیں چڑھی تو پھر میں اندر کاں سے آیا، میں تو ابھی دفتر سے آ رہا ہوں۔'' شوکت کچھ نرم پڑ کو بولا۔

''لو اور سنو۔'' شمو نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یانی وہی بات ہوئی کہ وہ الزام اپن کو دیتے تھے، اور قصور خود ان کا ہی نکل آیا۔''

Akram Allahabadi

"کیا مطلب؟" شوکت نے بگڑ کر پوچھا۔

"معتافی (گستاخی) ماف، میاں۔ گولی بھی مارنا ہے تو مارلو، مگر آج تو کچھ آپ کو ہی چڑی (چڑھی) ہے۔"

"چڑی ہوگی تیرے باپ کو۔ سالے، کیا اول فول بک رہا ہے۔"

"اے لو، یانی میں اول فول بک رہا ہوں۔ پھر اندر کیا میرا باپ بیٹھا تھا ابھی۔ کھانا کس نے منگایا تھا، میاں، آپ نے کہ میرے فرشتوں نے؟"

"ابے بھار (باہر) جاکے پوچھ، میں ابھی آرہا ہوں کہ اندر بیٹھا تھا۔" شوکت بولا۔

"تو کیا آپ کے دو ہوگئے کیا؟"

"سیدھی سیدھی بات بتا، کیا ماملہ ہے؟ نہیں تو اب تو میں ضرور تجھے جوتے ماروںگا۔" شوکت کی قوت برداشت اب جواب دینے لگی۔ شموکی کھوپڑی بھی اب جواب دے رہی تھی۔

"میاں، آپ کو آئے ہوئے ایک گھنٹہ تو ہوا ہوگا، اور آپ ہیں کہ ابھی کی رٹ لگائے ہوئے ہیں، پھر میں کیا آپ کو خش کرنے کیلئے جھوٹ بولوں؟"

شموکی اس صاف گوئی پر شوکت ایک لمحے کیلئے چونکا۔ شمو کے لب و لہجے میں اس وقت کسی نشے کی کیفیت نہ تھی۔ آنکھوں سے بھی کسی قسم کا خمار نمایاں نہ تھا۔ پھر یہ معاملہ کیا تھا آخر۔ اس نے شمو کو تو چھوڑ دیا اور خود اچانک اندر گھس گیا، لیکن اندر کوئی نہ تھا۔ اس نے اچھی طرح دیکھ ڈالا۔ اسی وقت اسے غصہ آیا کہ شمو کی مرمت کر ڈالے، مگر جب کھانا لے کر شمو کی بجائے دوسرا نوکر کریم خان آیا اور اس نے بھی یہی کہا کہ اسے تو آئے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے، تو شوکت چپ ہو رہا۔ اسے معاً خان کے آفس والے واقعے کا خیال آ گیا اور نہ جانے کیوں اس کا دل جیسے فرطِ خوف سے ڈوبنے لگا ہو۔ ایک انجانا سا خوف، جیسے کوئی واقعہ ہونے والا ہو۔ اس سے کھانا بھی ٹھیک سے نہ کھایا گیا۔ بعد میں اس نے خان کے بنگلے پر دوبارہ فون

کیا، مگر دونوں بار اسے لائن مصروف ملی۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس وقت رات کی تاریکی میں تنہا خان کے پاس جائے۔

وہ رات اس نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ اسے عجیب عجیب سے خواب آتے رہے۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شوکت بٹا شوکت

ابھی پو بھی نہ پھٹنے پائی تھی کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچی ہو۔ اور واقعی آنکھ کھلتے ہی اس نے خود کو مسہری کی بجائے فرش پر پڑا پایا۔ خوف کی وجہ اس نے سے رات سوتے وقت لائٹ نہیں بجھائی تھی۔ دروازہ اندر سے بند ہی تھا۔ شوکت جیسے آدمی کیلیے تو اگر یہ وہم بھی ہوتا تو رونگٹے کھڑے ہو جانا قدرتی بات تھی۔ کچھ دیر تک تو وہ آنکھیں میچ کر درود و کلمے پڑھتا رہا۔ اسے اس وقت شدت کے ساتھ یہ وہم ہو رہا تھا کہ ضرور یہ آفت اس کے پیچھے بھی خان اور بالے کی وجہ سے لگی ہے۔ ان لوگوں نے جن مجرموں کو پھانسی پر چڑھوایا ہوگا، کہیں ان کی روحیں انتقام لینے نہ نکلی ہوں۔ اس کی یہ کیفیت تھوڑی دیر تک قائم رہی اور جب تک اسے کمرے کی ہر شے اپنی جگہ سے گویا حرکت کرتی نظر آتی رہی، اسے ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ مگر پھر لاشعور سے ایک رو چلی، جس نے اسے سہارا دیا۔ اسے خیال آیا کہ ممکن ہے وہ خواب دیکھتے دیکھتے بستر سے لڑھک گیا ہو اور یہ اس کا اپنا واہمہ ہے جو اسے ڈرا رہا ہے۔ اس خیال نے جب تقویت حاصل کی تو اس کا خوف بہت کم ہو گیا۔ وہ فرش سے اٹھا اور پہلے اس نے تپائی پر رکھی ٹائم پیس میں وقت دیکھا، پانچ بج رہے تھے، سویرا ہونے ہی والا تھا۔ اس نے ایک انگڑائی لی اور پلنگ کی بجائے کرسی پر بیٹھ گیا۔ یکا یک سرہانے کی کھڑکی بند ہو گئی تو ایک بار اور وہ لرز اٹھا۔

''کوئی سالا بھوت ہے کیا اپنے کمرے میں؟'' وہ قدرے اونچی آواز سے بڑبڑایا اور عین اس وقت جب اس کی توجہ کھڑکی کی طرف تھی، پیچھے ٹیبل پر رکھا گلدان آپ سے آپ گر کر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ٹوٹنے کی آواز پر وہ اچھل پڑا۔

''جل تو جلال تو، جل تو جلال تو...'' رٹتے ہوئے اس نے دوڑ کر بند دروازہ کھول

دیا۔باہر برآمدے میں سناٹا اور تاریکی دیکھ کر اس کی دہشت اور بڑھ گئی۔ہوا سنسناتی ہوئی گزر رہی تھی، جس کے ساتھ سردی کی ہلکی سی لہر بھی شامل تھی۔آج اسے اپنا ہی تاریک برآمدہ بھیانک نظر آنے لگا۔اس نے حلق پھاڑ کر شمو کو پکارا، مگر جواب نہ ملا، شمو سو رہا ہوگا۔

''ابے او شمو کے کتے، سالے گدھے بیچ کر سویا ہے کیا؟ او شمو۔'' وہ غصے سے چیختا رہا۔ایک منٹ بعد ہی اسے برآمدے کے دوسرے سرے پر دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔پھر ٹارچ لائٹ اس پر پڑی۔شمو اور کریم خان دونوں ہی آواز سن کر جاگ گئے تھے اور گھبرا کر ویسے ہی بھاگے تھے۔

''کیا ہوا، میاں صاحب، آپ کو؟'' شمو نے قریب آتے ہی گھبرائے ہوئے پوچھا۔

''یہاں آدھی رات کو کیا بات ہوگئی؟'' کریم خان نے بھی سوال کیا۔شوکت کو ان کے آجانے سے ڈھارس بندھ گئی تھی۔اس لیے اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔

''اے لو، سالے یہ آدھی رات ہے، رتوندا آتی ہے کیا، یا دونوں سالے بھنگ گھونٹ کر سوئے تھے؟ میری گھڑی ۵ ۱/۲ بجا رہی ہے اور آپ کے یاں ابھی آدھی رات ہی ہوئی ہے؟'' شوکت نے اپنے خوف کو چھپانے کیلیے بات بنائی۔

''نہیں، میاں، وہ تو منہ سے نکل گیا۔ماشاءاللہ پو پھٹ رہی ہے۔اب تو صبح صادق کا وقت ہے۔'' کریم جلدی سے بولا۔

''پو پھٹنا گویا ماشاءاللہ ہوا۔ابے پو تو روز ہی پھٹتی ہے، ہمیں تو سورج کاں سے نکلے گا، تمہارے باوا کی کھوپڑی سے؟'' شوکت نے اپنے واہمے کو ٹالنے کیلئے زبردستی کی بحث چھیڑ دی۔

''جی ہاں، میاں۔جیسا آپ فرماتے ہیں، وہی بات ہے۔'' کریم نے خوشامداً کہا۔

''اورلو، یانی میں کھوں دن ہے تو دن ہے اور رات ہے تو رات ہے؟'' شوکت نے پوچھا۔

''بے شک، میاں۔'' شمو نے لقمہ دیا۔

''کیا بے شک ہے؟ یانی کل کو میرا دماغ خراب ہو جائے تو تم بھی پاگل خانے جاؤ گے؟'' شوکت نے استفسار کیا۔

''کائے کو نئیں، میاں۔ اپن تو جی جان سے وفادار ہیں آپ کے۔'' شمو نے دعویٰ کیا۔

''اچھا تو جاؤ پاگل ہو گیا، جاؤ سالے پاگل خانے۔'' شوکت نے عجیب منطق چھیڑی۔ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

''میاں، کون سالا حرامی آپ کو پاگل کہہ سکتا ہے؟ یانی ایسے باہوش عقلمند اور اعلیٰ مغز کے آپ بھلا کئیں پاگل ہو سکتے ہیں؟ ہوشت۔'' شمو نے اپنی دانست میں پولسن کا پورا پیکٹ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

''اورلو، سالے ئی وفادار ہیں۔ یانی کہ میں کے ریا ہوں کہ میں پاگل ہوں، تو آپ سالے مجھے ہی جھٹلا رہے ہیں؟'' شوکت نے گویا ان کی وفاداری کو شکست دیتے ہوئے کہا۔

''نئیں، میاں حضور۔ آپ فرماتے ہیں تو آپ پاگل ہیں، آپ کے باپ پاگل، آپ کے...'' شمو شروع ہو گیا۔

''چپ بے چڑی کے اٹھے۔'' شوکت نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں نے باپ دادا کا کب کیا، سالا اپنے سے ہی ٹھونکے جا رہا ہے۔'' شوکت بگڑ گیا۔

''نئیں، میاں۔ یانی میں تو ایک بات...''

''تیل لینے گئی تیری بات مات، آج خواب میں ایک ولی صاحب نے بولا تھا،

میاں، سبا (صبح) اٹھ کے روزہ نماز پڑھا کرو۔ اس لیے پٹ سے آنکھ کھل گئی۔ کریم خان تم جاؤ جلدی سے چائے مائے بنا لاؤ۔ اور تو بے یہیں بیٹھ، شمو۔'' شوکت نے باری باری دونوں سے کہا۔

''میاں، میں آپ کے غسل کیلیے پانی گرم کرواؤں؟'' شمو نے جلدی سے پوچھا۔

''غسل کا کب کہا ہے میں نے؟''

''تو میاں نماز کیسے پڑھیں گے آپ؟''

''اور لو، تو کوئی وہوں نے آج کی تاریخ تھوڑی مقرر کردی تھی کہ بس آج سے ہی پڑھو۔ کل سے شروع کروں گا۔'' شوکت نے بہانہ بنایا۔

''تو میاں، پھر ہم غریبوں کی نیند کائے کو حرام کرنے کی تھی۔'' شمو نے منہ بنا کر کہا۔

''ابے واہ سالے، یانی آپ کی نیند حرام ہوگئی میں نے بلایا تو۔ میری خشی میں آدھی رات کو بلاؤں کہ دوپہر کو، تیرے باپ کو ابھی آنا پڑے گا۔'' شوکت مصنوعی غصے سے بولا۔

''بے شک آنا پڑے گا، میاں۔'' شمو نے جلدی سے کان تھام لیے۔

''ابے کان تھامے ہیں تو سو مرتبہ اٹھک بیٹھک کر، تیری یہی سزا ہے۔'' شوکت نے حکم دیا۔

''مگر میاں، کس قصور کی؟''

''قصور مصور گیا تیل لینے، بس میرا حکم ہے۔ یانی حکمے حاکم مرگ مواصفات (حکمِ حاکم مرگِ مفاجات)۔'' شوکت نے ضرب المثل کے ساتھ کہا۔

''میاں، سوڈنڈ بھوت (بہت) ہوں گے، کچھ کم کر دیجیے۔''

''اے لو، تو میں پہلوانی کرا رہا ہوں کیا تجھ سے، سالے؟ اٹھ بیٹھ کر، بس شروع ہو جا۔'' شوکت نے شمو کو کام پر لگا دیا تا کہ اسی طرح اجالا ہو کر سویرا ہو جائے اور خوف کی وجہ سے نوکروں کو بلانے کا اس کا راز اس کے اپنے دل و دماغ تک ہی محفوظ رہ جائے۔ شمو بیچارے

Akram Allahabadi

کو اپنی ٹانگیں توڑنی پڑیں۔

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی شوکت کپڑے بدل کر اپنی کار لے کر سیدھا خان کے بنگلے کی طرف بھاگا۔ راستے میں محویت کی وجہ سے دو چار جگہ اس کی کار ٹکرانے سے بھی بچی۔ جب وہ خان کے بنگلے کے احاطے میں داخل ہوا تو اسے بالے برآمدے میں ہی نظر آ گیا۔ شوکت کار کا دروازہ بند کر کے سیدھا اسی کی طرف لپکا۔ ''میاں خان، بھوت غضب ہو گیا۔'' اس نے قریب پہنچتے ہی بالے پر حیرت کے پہاڑ توڑنے چاہے۔

''کیا ہو گیا؟'' بالے نے اس کی طرف سرد مہری سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اے لو، ایک تو بندر کی دوستی سالی جی کا جنجال بن گئی، اوپر سے سردی مہری بھی دکھا رہے ہیں، سالے۔'' شوکت کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا۔

''مگر ہوا کیا؟'' بالے نے دوبارہ پوچھا۔

''وئی ہوا سالہ جو تمہیں ہوا تھا۔ اپن کو کیا مالوم تھا کہ پولیس والوں کی دوستی میں مجرموں روحیں بھی سالی پیچھے پڑ جاتی ہیں۔'' شوکت بتلانے لگا۔

''تو میں کیا کروں؟'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''تم یار اللہ کی قسم اول نمبر کے خود غرضیے، طوطے کی آنکھ ہو۔ یانی یہ جواب ہے تمہارا۔'' شوکت کو غصہ آ گیا۔

''تم پوری بات بھی نہیں بتاتے اور طعنے بھی دیے جاتے ہو؟'' بالے نے ذرا نرم ہو کر کہا۔

''بات یہ ہوئی ہے سالی کہ حیرتناک، عجب العجب واقیا ہوا ہے۔'' شوکت نے یہ کہہ کر سارا واقعہ اسے سنا دیا۔ بالے سر ہلا ہلا کر سنتا رہا۔

''اب تم ہی بولو کہ یہ سالا ماجرا کیا ہے؟'' شوکت نے اپنی کہانی ختم کر کے اسی سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔''

''ہاں ہاں، اب تو یہی بولو گے، سالے۔کہاں ہیں خان صاحب، میں ان سے پوچھونگا کہ سالا کیا دوستی کا یہی سلہ ملتا ہے۔''شوکت جھنجلا گیا۔

''ہاں جاؤ، پوچھ لو، وہ اندر ہیں۔''بالے نے ٹکا سا جواب دیا۔

''یار میاں خان صاحب، تمہاری نسوں میں سالا کسی شرافت کا خون نہیں، کسی بندر مندر کا خون ہے، بلکہ سانپ کا ہو تو بھی کیا تا جب ہے۔''شوکت بڑبڑا تا ہوا اندر گھس گیا۔ خان اپنے مطالعے کے کمرے میں تھا، جس کا دروازہ بند تھا۔غلام رسول باہر ہی موجود تھا۔اس نے جو شوکت کو دیکھا تو چونک پڑا۔اس نے راستہ روک دیا۔

''اے لو، کیا اپن بھی نو بیڈ مشن (ایڈمیشن)؟''شوکت نے حیرت سے کہا۔

''خان صاحب کا آرڈر ہے، کسی کو بلا پوچھے اندر نہیں آنے دیا جائے۔صبح سے بند ہیں اپنے کمرے میں۔''غلام رسول نے بتایا۔

''تو جاؤ پوچھ لو۔''شوکت جھنجلا کر بولا۔

''میں بھی اندر نہیں جا سکتا۔''غلام رسول نے بتایا۔

''تو پھر کیا اپنے سر سے پوچھو گے؟''شوکت چکرایا۔''خاں، میں دستک دیتا ہوں۔''یہ کہہ کر شوکت نے دروازہ کھٹکایا۔

''کون ہے؟''اندر سے اسے خان کی آواز سنائی دی۔

''میں ہوں شوکت میاں۔''شوکت نے جواب دیا۔

''اوہ، دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آجاؤ۔''خان نے جواب دیا۔

شوکت نے جو دروازے کو دھکیلا تو وہ کھل گیا۔اس نے اندر داخل ہو کر پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔دروازے کے پاس ہی پارٹیشن کا اسکرین تھا۔اس نے اس کے اندر جیسے ہی قدم رکھا، اس کے ہوش اڑ گئے۔شاید بیہوشی کی بھی نوبت آجاتی، مگر سکتہ ہی ہو کر رہ گیا۔

Akram Allahabadi

اس کے سامنے ایک میز کے گرد دو خان، ایک شوکت اور ایک بالے بیٹھے ہوئے تھے۔شوکت نے کچھ دیر بعد حواس میں آ کر پلکیں جھپکا جھپکا کر دوسرے شوکت کو دیکھا کسی فرق کا سوال ہی نہیں تھا۔بالے 'ایک' اسے باہر مل ہی چکا تھا اور دوسرا یہاں موجود تھا، مگر اس سے بھی زیادہ حیران وہ دو خان دیکھ کر ہو رہا تھا جو قریب ہی قریب بیٹھے مسکرا رہے تھے۔شوکت نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر دیکھا، مگر منظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

''یا اللہ، میں کیا جاگتے میں خواب دیکھ رہا ہوں؟'' وہ بڑبڑایا۔

''نہیں، تم جو دیکھ رہے ہو وہ حقیقت ہے، آگے آؤ۔'' خان اس سے مخاطب ہوا، مگر شوکت کی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے۔

''یہاں آجاؤ، گھبراؤ نہیں۔'' خان نے نرمی سے اسے بلایا۔

شوکت ڈرتے ڈرتے قریب پہنچ گیا اور خان کے اشارہ کرنے پر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''سلام علیکم، شوکت بھائی۔'' بالے نے اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

''والیکم، مگر پھر وہ بھارکون تھا؟'' شوکت نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ بھی سارجنٹ بالے ہے۔''

''اللہ رحم کرے۔'' شوکت بڑبڑایا۔''میں کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا ہوں؟''

''نہیں، تم بالکل ٹھیک ہو۔'' خان نے نرمی سے کہا۔

''اچھا، آپ کی تاریف؟'' شوکت نے دوسرے شوکت کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

'میاں خان، تاریف اس خدا کی نے سارا جہاں بنایا۔میرا اسے شریف شوکت میاں خان جاگیردار ہے۔'' دوسرے شوکت نے بالکل شوکت کے ہی لب و لہجے میں جواب دیا۔شوکت اس انداز کلام پر حیران رہ گیا۔وہ تو بالکل اسی طرح بول رہا تھا۔

Akram Allahabadi

''تو آپ بھی بھوپالی ہیں؟''شوکت نے اس سے پوچھا۔

''جس طرح آپ ہیں۔''دوسرے شوکت نے جواب دیا۔

''دھندا کیا کرتے ہیں آپ؟''

''ٹھیکے داری کرتا ہوں،میاں۔اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔''

''آپ کی شکل تو بالکل مجھ جیسی ہے۔''

''آپ کی شکل خود مجھ جیسی ہے۔''دوسرے شوکت نے جواب دیا۔

''خان صاحب،یہ ماملہ کیا ہے؟میری تو کوچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔رات سے سالا اللہ جانے کون طلسمی چکر چل رہا ہے۔''شوکت نے خان کو مخاطب کیا۔''یہ آپ نے میرا کوئی ہم شکل بنایا ہے کیا؟''اس نے پوچھا۔

''ہم شکل نہیں،حقیقت میں یہ وہی ہیں جو تم ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب آپ سے آپ سمجھ میں آجائے گا،پہلے تم میرے سوال کا جواب دو۔''خان نے کہا۔

''فرمایے۔''

''ہمیں ایک بہت لمبے سفر پر چلنا ہے۔ایک بہت بڑی شخصیت کا مہمان ہو کر،کیا تم ہمارے ساتھ چلنا چاہتے ہو؟''

''کائے کو نئیں،اس میں کون سی بڑی بات ہے۔''

''بڑی بات تو ہے،ہمیں مریخ پر پہنچنا ہوگا۔''

''یہ کون سے ملک میں ہے؟''شوکت نے معصومیت سے پوچھا۔

''مریخ ہماری زمین سے بھی بڑا ایک سیارہ ہے۔''

''اے لو،تو اپن واں کیا فرشتو کی مدد سے پہنچیں گے؟''

Akram Allahabadi

''ہمیں سلا زار نے طلب کیا ہے۔''

''کس نے؟''شوکت نے دوبارہ چونک کر پوچھا۔

''سلا زار نے۔''

''کون؟ وئی جو آسمانی حملے میں مدد کرنے اللہ جانے کاں سے آئے تھے۔''شوکت کو یاد آیا۔

''ہاں وہی، وہ میریخ سے ہی ہماری مدد کو پہنچے تھے۔''

''خان صاحب، اپن کو تو یہ مریخ پھر یخ اور تمہارے سیارے بیارے سب بنڈل مالوم ہوتے ہیں۔''شوکت نے صاف گوئی سے کام لیا۔

''وہ تو خود ہی مالوم ہو جائے گا۔ موسیو سلا زار نے یہ ہمارے تین ڈپلیکیٹ یہاں بھیجے ہیں، جو اس دنیا میں ہماری غیر موجودگی کسی کو محسوس نہ ہونے دیں گے۔ اتنے دنوں سے یہ ہمارے قریب ہی غائب رہ کر ہماری تمام حرکتوں، عادتوں، حالات اور ہمارے طریقِ زندگی کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اب ان کا کام ختم ہو گیا ہے۔ یہ یہاں ہماری جگہ موجود رہیں گے اور ہم کو مریخ جانا ہوگا۔''خان نے بتایا۔

''دوسرا بزنس میز نس؟''

''وہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ تمہاری جگہ تمہارے یہ ڈپلیکیٹ تمہارا سارا کام انجام دیتے رہیں گے۔''

''مگر آسمان میں اتنی دور کون سالا جا سکتا ہے۔''

''وہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں۔''

''واں سے زندہ لوٹ کے بھی آ سکتے ہیں اپن؟''

''کیوں نہیں، جسے خدا رکھے، اسے کون چکھے۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

رات کی تاریکی میں

''مگر واں اپن کھائیں، پہنیں گے کیا؟''شوکت نے خان سے پوچھا۔خان اس کا مطلب سمجھ گیا۔

''وہاں سب کچھ ملے گا اور مریخ جیسی حسین دوشیزائیں تو زمین والوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔''

''اپن تینوں جائیں گے، بس؟''

''ہاں۔''

''ہوائی جہاز کاں سے ملے گا؟''شوکت نے بھولے پن سے پوچھا۔

''سیاروں تک سفر راکٹوں یا خلائی جہازوں سے ہوسکتا ہے، ہوائی جہاز سے نہیں۔''

''اپنی عقل تو کام نئیں کرتی سالی، جیسے یہ سب خواب کی باتیں ہوں۔''

''تم اس چکر میں نہ پڑو، تمہیں یہاں کیلیے اگر کوئی خاص ہدایتیں دینی ہوں، تو تمہارے یہ ڈپلیکیٹ موجود ہیں، انھیں دے دو۔ہم تینوں آج ہی یہاں سے روپوش ہوجائیں گے اور آج کی رات ہمارا سفر مریخ کی طرف شروع ہوجائے گا۔''

''مریخ یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''کم سے کم تین کروڑ پچاس لاکھ میل۔''خان نے جواب دیا۔

''باپ رے۔کتیں اتی دور بھی انسان جاسکتا ہے سالا؟''

''اور کبھی کبھی تو یہ فاصلہ چھ کروڑ تیس لاکھ میل تک پہنچ جاتا ہے۔''خان نے مزید بتایا۔

''کتیں آپ لوگ پاگل تو نئیں ہوگئے ہیں؟''شوکت نے سنجیدگی سے ان کی شکلیں

Akram Allahabadi

دیکھتے ہوئے کہا۔پھر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں چلے؟'' بالے نے اسے پکارا۔

مگر جواب دینے کی بجائے شوکت دروازے کی طرف لپکا۔اسی وقت بالے نے اچھل کر اسے بازوؤں سے تھام لیا۔

''ارے ارے، ہم لوگ تو مذاق کر رہے ہیں، لو تم ڈر گئے۔'' بالے نے کہا۔اس جملے سے شوکت کی جان میں جان آئی۔

''لو، سالا ایسا بھی کائے کا مزاخ کہ کسی کی جان ہی نکل جائے۔'' شوکت پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔

''اچھا بیٹھ جاؤ۔لو یہ تھوڑی سی برانڈی پی لو، طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔''

بالے نے پلاسٹک کی ایک بوتل سے سرخ سرخ سیال ایک چھوٹے سے گلاس میں انڈیل کر اسے دیا اور شوکت گھبراہٹ میں اسے چڑھا گیا۔

چند لمحوں کے بعد ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود ایک راکٹ ہے اور دم کی بجائے حلق سے دھواں چھوڑتا ہوا آسمان میں اڑتا چلا جا رہا ہے اور شاید اس کی پیٹھ پر لکھا ہوا بھی ہے، راکٹ میاں خان شوکت جاگیردار اسپیس برائے اسپیس۔

☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی اور سناٹے میں کوئی دیکھ نہ سکا، لیکن اگر دیکھ لیتا تو فرطِ حیرت سے پاگل ہو گیا ہوتا۔اس لیے کہ اس وقت خان کی کار میں چھ ایسے آدمی سفر کر رہے تھے کہ جو تین کے ڈبل تھے۔خان کار ڈرائیو کر رہا تھا اور خان اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ایک بالے اس خان کے پاس بیٹھا تھا اور ایک بالے پچھلی نشست پر شوکت کے ساتھ تھا، جبکہ دوسرا شوکت شاید اصلی شوکت بے ہوش تھا۔

Akram Allahabadi

سردی کی خفیف سی لہر آئی ہوئی تھی اور رات کے دو بجے تاریکی بہت گہری ہو چکی تھی۔احتیاطاً وہ کم آباد اور سونی سڑکوں ہی سے گزر رہے تھے اور شہر سے نکل کر جب ان کا رخ مضافات کی سب سے اونچی پہاڑی ماؤنٹ ایمری کی طرف ہوا تو انھوں نے مین روڈ چھوڑ کر زیرِ تعمیر اسٹیل روڈ اختیار کی۔یہاں کہیں کہیں سڑک کے کنارے محکمۂ تعمیرات کے مزدوروں کے جھونپڑے تھے، جو انھوں نے عارضی طور یہاں بنائے تھے، تاکہ کام جاری رہنے تک انھیں آمد و رفت کی زحمت نہ اٹھانی پڑے، مگر وہ بھی اس وقت سوئے ہوئے تھے۔ان کی کار بلا کسی مزاحمت کے گزرتی رہی۔سڑک کچی ہو چکی تھی۔صرف اس پر مرم اور کولٹار کی تہیں بچھائی تھی۔ سڑک پر روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ان کیلیے ہیڈ لائٹس کی روشنی ہی کافی تھی۔اور خان تو جنگلوں میں بھی گاڑی چلا لینے کا عادی تھا۔

ماؤنٹ ایمری تک پہنچنے میں انھیں تقریباً ۴۵ منٹ لگ گئے۔پہاڑی کے نیچے کھیت تھے اور ایک چھوٹا سا گاؤں بھی آباد تھا، جو اس وقت تاریک پڑا تھا۔ان کی گاڑی ان کھیتوں کے درمیان سے گزر گئی۔پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر انھوں کا رروک دی۔ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی نارچیں تھیں۔یہاں بے ہوش شوکت کو ہوش میں لے آیا گیا۔وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔بالے قریب ہی تھا۔

''یہ اپن کاں آ گئے، میاں خان؟''

''اللہ میاں سے ملنے۔اس پہاڑی چوٹی سے راستہ سیدھا جنت کو جاتا ہے۔''بالے نے بتایا۔

''مزاخ مت کرو، میاں خان، اور...اے لو، یہ سالے میرے نقل چوکھٹے بھی موجود ہیں یاں؟''شوکت کی نظر اپنے ڈپلیکیٹ پر پڑ گئی۔

''ہاں جاؤ ہیں، کوئی تمارے باپ کا اجارہ۔''شوکت کے ڈپلیکیٹ نے اسی لہجے میں جواب دیا۔شوکت یہ جواب سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس سے کچھ نہ بولا۔اس نے بالے

نے پوچھا۔

''میاں خان، یہ چکر کیا ہے سالا آخر؟''

''کچھ نہیں، ہم اوپر چل کر لوٹ آئیں گے۔ایک بڑا دلچسپ کیس پکڑنا ہے۔''

بالے نے بتایا۔

''اچھا، تو اب سمجھا۔''شوکت نے کچھ سمجھتے ہوئے کہا۔

''کیا؟''

''یانی نقل کر گرفتار کروا کے اصل حملہ کریں گے۔''شوکت نے بتایا۔

''آدمی یار واقعی عقلمند ہو۔اچھا چلو اوپر چلیں۔''بالے نے اسے بازو سے تھام کر کہا۔اور شوکت اسی خوش فہمی میں مبتلا ان کے ساتھ چلنے لگا۔کار یہیں چھوڑ دی گئی۔اب وہ نارچ کی مدد سے اوپر چڑھ رہے تھے۔خان کے ڈپلیکیٹ نے ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا بکس سا کار کی اسٹپنی سے نکال لیا تھا۔وہ اسے ہاتھ میں لٹکائے چل رہا تھا۔بالے کے ڈپلیکیٹ کے پاس ایک بہت تیز روپہلی روشنی والی نارچ تھی، جس سے زمین پر گری ہوئی سوئی تک نظر آسکتی تھی۔

پہاڑی پر چڑھنے میں انھیں زیادہ دقت نہ ہوئی، کیونکہ ڈھلوان خطرناک نہ تھے۔ اس کے علاوہ چرواہوں نے یہاں پگڈنڈیاں بنا رکھی تھیں، جن کے دونوں سمت زمین بوس جھاڑیاں ترشی ہوئی تھیں۔پہاڑی پر سناٹا تھا۔دن میں ضرور چرواہے کچھ اوپر تک آتے تھے، لیکن رات کو کسی کی ہمت نہ تھی۔اور ویسے بھی کیوں کوئی ایسی کوشش کرتا۔شوکت کو اس نامعلوم مہم میں ذرا بھی لطف نہیں آرہا تھا۔وہ بڑی شدت سے بور ہو رہا تھا۔بالے اکیلا ہوتا تو وہ کب کا پیچھا چھڑا کر بھاگ جاتا، مگر خان کی وجہ سے اس کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔وہ بادلِ نخواستہ ان کا ساتھ دے رہا تھا اور کبھی کبھی غصے سے اپنے ڈپلیکیٹ کو گھورنے بھی لگتا۔یہ چکر ایک فی صدی بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا، مگر اس بات پر حیرت اسے ضرور تھی کہ دوسرا شوکت چلنے پھرنے،

ملنے جلنے، غرض کہ کسی بھی انداز میں اس سے مختلف نہ تھا۔ ذرہ بھر فرق نکالنا محال تھا۔

انھیں اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے میں تقریباً نصف گھنٹہ لگ گیا۔ حالانکہ وہ ایک لمحہ رکے بغیر چلتے رہے تھے۔ اس کی چوٹی کسی حد تک ہموار تھی۔ یہاں دور دور موٹے تنوں والے جنگلی درخت کھڑے تھے۔ راستے میں انھیں جنگلی خرگوشوں اور جھاڑیوں میں چھپے تیتروں کے سوا کچھ نہ ملا۔

چوٹی پر پہنچ کر وہ ایک بڑی سی چٹان پر بیٹھ گئے۔ خان کا ڈپلیکیٹ اس سیاہ صندوق نما شے کو کھولنے لگا۔ اس میں سے ایک عجیب سی ساخت کا ٹرانسمیٹر برآمد ہوا، جو کسی چمکدار اور سخت دھات کا تھا۔ اس کی راڈ فولڈنگ تھی، جس سے تقریباً ایک فٹ کا اینٹینا وابستہ تھا۔ ایک بٹن کے دباتے ہی وہ راڈ اسپرنگ کے اوپری سرے سے پیوست تھا۔ اس کی مشین کسی حد تک ایمپلینائڈ سے شکل میں ملتی جلتی تھی۔ حالانکہ اس میں بہت سے خانے بنے تھے، جن کے ساتھ مختلف رنگوں کے بلب نصب تھے۔ نیچے کئی گرینٹ لگے تھے۔ اس نے اس عجیب سی مشین یا ٹرانسمیٹر کو اس چٹان پر رکھ دیا اور خان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

''غالباً آپ تیار ہوں گے بالکل؟''

''ہاں، ہم تیار ہیں۔'' خان نے مدھم آواز میں کہا۔

خان کے ڈپلیکیٹ نے ایک بٹن دبا دیا، جس کے ساتھ ہی مشین سے ایک گونج سی سنائی دینے لگی۔ پھر باری باری تیزی سے اس میں لگے مختلف رنگوں کے بلب چمکنے لگے، پھر ان کی یہ حرکت تیز ہونے لگی۔ جس کے ساتھ ہی مشین کی گونج بڑھتی جا رہی تھی۔ خان نے اسے قریب سے دیکھنا چاہا، مگر اس کے ڈپلیکیٹ نے فوراً اسے روک دیا۔

''اس کے قریب نہ آیئے۔ کم از کم دس فٹ دور رہیے۔'' اس نے کہا۔

''کیوں؟''

''آپ ریڈی ایشن کی زد میں آجائیں گے۔''

خان خاموش ہوگیا۔ٹھیک اسی وقت اس نے دیکھا مشین کے اینٹینا سے باریک باریک روشنی کی لہریں پھوٹ پھوٹ کر غائب ہونے لگیں۔یہ عمل بتدریج بڑھتا گیا۔یہاں تک کہ اینٹینا کے مرکزی پوائنٹ سے ننھے ننھے بنفشی دائرے نکلنے لگے۔یہ دائرے مسلسل اور یکے بعد دیگرے نکل رہے تھے۔ہر دائرہ اوپر اٹھتے اٹھتے پھیلنا شروع ہوجاتا،جس طرح کوئی منہ سے سگریٹ کے دھویں کے مرغولے چھوڑتا ہو۔بنفشی دھند یا لہروں کے یہ دائرے بڑی تیزی سے بڑے ہوتے آسمان کی طرف پرواز کررہے تھے۔یہ عمل ابھی بمشکل ایک منٹ تک ہی ہوا تھا کہ آسمان پر ان دائروں کے مرکزی نقطے کی طرح ایک ستارہ چمکنے لگا۔ننھا مگر بہت تیز روشن تارہ۔نیچے سے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ دائروں کا حلقہ اسی کے گرد وسیع ہورہا ہو۔حالانکہ یہ دائرے پھیلتے پھیلتے دھندلے پڑتے جاتے تھے۔اور پھر آسمان میں غائب ہوجاتے تھے۔خان نے دیکھا وہ ستارہ اور روشن ہوا جارہا ہے۔یہ احساس تو اسے بعد میں ہوا کہ کہیں وہ زمین کے قریب تو نہیں آرہا ہے۔اور واقعی وہ رفتہ رفتہ بڑا ہوتا جارہا تھا۔پھر اچانک روشنی کا ایک ایسا جھماکا ہوا کہ ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔پلک جھپکنے کی سی رفتار سے وہ روشن ستارہ جیسے زمین پر آپہنچا تھا۔نظریں قائم ہونے پر انھیں اپنی نگاہوں کے سامنے ایک دودھ جیسے سفید رنگ کا بیضوی شکل کا بڑا سا کیپسول نظر آیا، جو دیکھنے میں الف لیلےٰ کے روایتی دیوزاد پرندے رخ کا انڈا معلوم ہوتا تھا۔اس کی سفید سطح دمک رہی تھی اور اس سے کافی دور تک روشنی پھیلی ہوئی تھی۔پھر وہ کیپسول درمیان سے اس طرح کھل گیا جیسے انڈا درمیان سے کریک ہوجائے۔وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے اندر بڑی آرام دہ ملائم نشستیں بنی ہوئی تھیں۔

''تشریف لے جایے۔'' خان کے ڈپلیکیٹ نے اس نامعلوم شے کی طرف اشارہ کرکے خان سے کہا۔خان نے بالے اور شوکت کی طرف دیکھا اور آگے بڑھنے لگ۔بالے اس کے پیچھے چلا،مگر شوکت جھجکنے لگا۔

''آپ بھی تشریف کا ٹوکرا لے جایے اپنا۔'' دوسرے شوکت نے شوکت سے کہا۔

''اے لو، مگر یہ کاں جا رہے ہیں؟''

''جنت کی سیر کرنے۔''

''ہوشت۔ کہیں جیتے جی بھی کوئی جنت میں جا سکتا ہے؟''

''میاں، اس لیے تو کے ریا ہوں کہ جا کے چشمے خد (بچشمِ خود) دیکھ لو۔ اور یانی وہ جو کہا ہے کسی نے نائی جی نائی جی بال کتے۔'' دوسرے شوکت نے کہا۔

''یہ سالا ضرور کوئی لمبا چکر ہے۔'' شوکت بڑبڑایا۔

''ایسا سفر ہوگا کہ زندگی بھر چٹخارے روگے اس کے مزے۔'' دوسرے شوکت نے اسے لالچ دلائی۔

''کم آن، ڈیئر سکھٹ۔'' بالے کی آواز درمیان میں دخل دیتی سنائی دی۔

''میاں خان، قسم کھا کے بتاؤ، کوئی خطرہ مطرہ تو نہیں ہے۔ یہ انڈا تو سالا آسمان سے اترا ہے۔'' شوکت نے اپنی نقل سے پوچھا۔

''آدم اور حوا کو چھوڑ کے دنیا میں سب سے پہلے انڈا ہی آسمان سے اترا تھا۔'' دوسرے شوکت نے جواب دیا۔ ''مگر دیر مت کرو، میاں، گاڑی سالی چھوٹ گئی تو جنم جنم پچھتاؤ گے۔'' دوسرے شوکت نے بتایا۔

''تم سالے میری جائیداد مائیداد پر قبضہ تو نہیں کرلوگے، میری نہیں موجودگی میں؟'' شوکت نے اس پراسرار شے کی طرف بڑھتے ہوئے رک کر اس سے سوال کیا۔

''سور کا منہ ہو جو سالا ایسی نیت بھی کرے۔'' دوسرے شوکت نے یقین دلایا۔

''اچھا، سلام علیکم بلکہ خدا حافظ۔'' شوکت یہ کہتا ہوا خان اور بالے کے پاس پہنچ گیا۔ انھیں اس شے کے اندر چار نشستیں نظر آئیں، جو خالی تھیں، لیکن اندر کسی جاندار کا نام و نشان نہ تھا۔ سب سے پہلے خان نے اندر قدم رکھا۔ اس کے پیچھے بالے اور پھر بالے نے شوکت کا ہاتھ تھام کر اندر گھسیٹ لیا۔ خان نے دوسرے خان کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ اور بالے

اور شوکت ڈپلیکیٹ چٹان پر کھڑے تھے اور انھیں دیکھ دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے۔ پھر ایک باریک سی گونج سنائی دی جو اس پراسرار کیپسول کے اندر سے ہی آئی تھی اور آپ سے آپ اس کیپسول کے کھلے ہوئے حصے دوبارہ آپس میں پیوست ہو گئے۔ ان کے کٹاؤ کے دانتے اس طرح آپس میں مل گئے، جیسے ان کا وجود ہی نہ تھا۔

خان، بالے اور شوکت نے محسوس کیا کہ اندر سے یہ بند کیپسول ایک خوشگوار ٹمپریچر رکھتا ہے۔ اور اس کے اندرونی خول سے ہی سرد سفید روشنی یا اس کی چمک جھلک رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی ایر کنڈیشنڈ تھیٹر میں بیٹھے ہیں۔ انھیں اچانک ان دیواروں یا خول کی چمک تیز ہوتی معلوم ہوئی۔ کسی نئی شیور لیٹ انجن کی جیسی مدھم گونج اندر سنائی دینے لگی اور انھیں کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ تیزی سے اوپر اٹھ رہے ہیں۔ چند ساعتوں کے بعد ہی دیواروں کی چمک پھر اعتدال پر آ گئی۔ اور ایک ساتھ اس کیپسول میں چاروں طرف چار کھڑکیاں کھل گئیں۔ چھوٹی چھوٹی تقریباً دس انچ لمبی چار انچ چوڑی کھڑکیاں جن میں شیشے جیسی کوئی سخت چیز لگی تھی، تا کہ اس میں سے باہر دیکھا جا سکے، مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ محض اتنے سے وقفے میں وہ اپنی دنیا سے دور نکل چکے ہیں۔ انھیں بہت دور ہزاروں میل نیچے زمین کی سطح پر روئی کے ٹکڑوں کی طرح بادل اڑتے نظر آ رہے تھے اور پھر بہت تیزی کے ساتھ وہ زمین کی سطح بھی دھندلی پڑنے لگی۔ بس ایک سرمئی دھند۔ حتیٰ کہ زمین انھیں نیچے پیچھے کی طرف آسمان میں ٹنگا ہوا ایک بہت بڑا سرمئی گولہ نظر آنے لگی۔ جس کے اردگرد خلا میں لرزتی ہوئی کہری چھائی ہوئی تھی۔

''میاں خان، یہ گولا سا لاکائے کا آسمان میں تیر رہا ہے؟'' شوکت نے بالے سے حیرت میں ڈوبا ہوا سوال کیا۔

''یہ بارہ بنکی کی توپ کا گولا ہے، جو نشانہ برابر ہونے کی وجہ سے آسمان میں معلق ہو گیا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''اے لو، یہ اتنا بڑا، اتنی بڑی تو سالی کوئی توپ بھی نہیں ہو سکتی۔'' شوکت نے

معصومیت سے کہا۔

''ارے بھئی، یہ شیشے جو کھڑکیوں میں لگے ہیں دراصل دوربینیں ہیں۔ان سے ہر چھوٹی سی چیز بہت بڑی نظر آتی ہے۔''بالے نے بتایا۔

''تو کیا اپن اسی گولے کو پکڑنے آئے ہیں؟''

''تمہاری عقل گھاس تو نہیں چر گئی ہے۔گولا پیچھے کی طرف چھوٹ گیا ہے اور ہمارا اڑن کھٹولا آگے کی طرف دوڑ رہا ہے۔''بالے جھنجلا گیا۔

''ہوشت، یہ اڑن کھٹولا ہے سالا۔''شوکت کی سمجھ میں نہ آیا۔

''نہیں تو کیا چارپائی ہے۔''

''ارے ہاں، مگر یہ تو آپ سے آپ اڑ رہا ہے سالا، یہ کاں سے آیا۔''شوکت کو اب اس عجیب شے کی اڑان پر حیرت ہوئی۔

''یہ پریوں کا تخت ہے، راجہ مایا مچھندر کے دربار سے خان صاحب کو لینے آیا ہے۔''بالے نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پریوں کا تخت۔''شوکت سوچ میں پڑ گیا۔''اور راجہ مایا مچھندر کون ہیں؟''

''میرے باپ ہیں، فرمایئے۔''بالے نے چڑانے کے انداز میں دانت نکال دیے۔

''تمہاری ایسی تیسی، میں خان صاحب سے پوچھتا ہوں۔''یہ کہتا ہوا شوکت خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں سن رہا ہوں۔''خان خود ہی مسکرا کر بولا۔

''ہمیں، یانی میرا مطلب ہے کیا سچ مچ یہ پریوں کا تخت ہے سالا۔''شوکت نے پوچھا۔

''معاملہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔''خان نے مسکرا کر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ شوکت کے

Akram Allahabadi

سامنے اسی وقت سچ بولنا فضول ہے۔ اسے غلط فہمی میں ہی رہنے دیا جائے تو اچھا ہے، ورنہ ابھی گھبرا کر واپس چلنے کی فرمائش کرنے لگے گا۔ بالے کی بات پر تو شوکت کو پانچ فیصدی بھی اعتبار نہیں رہا تھا، مگر خان کی بات پر اسے بھروسہ تھا۔ وہ ٹپٹا کر چپ ہو گیا۔

اچانک روشنی کی ایک لہر سی ان کے دونوں طرف سے گزر گئی۔ وہ چونک کر رہ گئے۔ اس لہر کے ساتھ کچھ ایسی آواز تھی، جیسے بندوق کی گولی کان کے پاس سے سنسناتی گزرے۔

"یہ کیا تھا؟" بالے نے خان سے پوچھا۔

"شہاب ثاقب۔" خان نے مختصراً جواب دیا۔

"اے لو میاں شہاب الدین ثاقب ہاں بھی آ گئے سالے۔" شوکت سے نہ رہا گیا۔

کھڑکیوں سے انھیں تاریک آسمان سے جو زمین سے جس قدر تاریک نظر آتا تھا، اتنا تاریک نہ تھا۔ بے شمار تارے بکھرے نظر آئے۔ اس نیلی چادر پر ٹمٹماتے ہوئے چھوٹے بڑے ستارے اتنے دلفریب نظر آتے تھے کہ ان کو ہی دیکھتے رہو۔

اچانک ان کا یہ کیپسول ایک روشن دھند میں گھس گیا۔ وہ سب چونک کر بیٹھ گئے۔ اس روشن دھند سے عجیب عجیب سی منمناتی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، مگر یہ دھند صرف دو منٹ تک رہی، اس کے بعد پھر غائب ہو گئی۔ شوکت کی کھوپڑی اب چکرا چلی تھی۔ یہ تو کچھ بالکل عجیب سا اور انجانا چکر تھا، جو اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ ٹھیک اسی وقت ان کے سامنے کی سمت کی چینی سی دیوار کی سفیدی غائب ہو گئی اور شیشے جیسی دیوار نظر آنے لگی۔ پھر وہ درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو کر دائیں بائیں سمٹتی چلی گئی اور شوکت کی نگاہوں نے جو کچھ دیکھا، اس پر اسے خدا کی قدرت یاد آ گئی۔ ایک بہت حسین و نازک وجود، ایک سر تا پا قیامت، کھلتی ہوئی جوانی جیسے نور کے سانچے میں ڈھلی ہو، اس شگاف سے اندر آ رہی تھی۔ وہ اتنی ہی حسین لڑکی تھی کہ اسے کسی پری سے مثال دی جا سکے۔ اس نے دہکتے ہوئے روپہلی رنگ کا سایا پہن رکھا تھا، جو بیچ سے اس طرح کٹا ہوا تھا کہ چلتے وقت اس کے دامن کے لہرانے سے

اس کا پیر گھٹنے سے اوپر تک کھل جاتا تھا۔ گوری گوری سڈول ٹانگ تناسب و نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی۔ شوکت اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ بالے پلیں جھپکانے لگا۔ مگر خان کے ہونٹوں تک مسکراہٹ آ کر رہ گئی۔ وہ اس چوتھی خالی نشست پر بیٹھ گئی۔

''آپ لوگوں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے خان سے پوچھا۔

''قطعی نہیں، بلکہ بڑا لطف آ رہا ہے۔'' خان بولا۔

شوکت ابھی تک حیران حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے نہ رہا گیا تو بالے سے اس نے اپنی خود ایجاد کردہ فارسی میں پوچھا، تاکہ لڑکی سمجھ نہ سکے۔

''میاں خان، ایں موتر ما چہ چیز ان بود۔'' وہ بولا۔ بالے کسی حد تک اس کا مطلب سمجھ گیا، مگر شاید وہ بھی سمجھ گئی۔ وہ خود شوکت سے مخاطب ہو کر بولی۔

''میں دورانِ سفر آپ لوگوں کی خدمت کیلیے بھیجی گئی ہوں۔''

''سبحان اللہ، سبحان اللہ، مہمان نوازی ہو تو ایسی ہو۔'' شوکت تعریف کرنے لگا۔

''مگر میرا مطلب تھا کہ آپ کون ہیں، کاں سے آئی ہیں؟''

''یہ جنت کی حور ہیں۔ تمہیں بتایا تھا کہ ہم جنت کی سیر کو جا رہے ہیں۔'' بالے نے اس کی بجائے جواب دیا۔

''میاں خان، تم چپ رہو، سالی جنت کی حور ایسے کپڑے پہنے گی کہیں۔ یا نی پھٹا فراق ٹانگ ننگی، کسی اور کو بنانا تم۔'' شوکت نے سرگوشی کے لہجے میں اسے جواب دیا۔ خان کو مجبوراً دخل دینا پڑا۔

''تمہاری نامعقولیت انتہا کو پہنچ گئی ہے، بالے۔ یہ کیا فضول کی بحث چھیڑ رکھی ہے۔'' وہ بولا۔

''میں شوکت بھائی کو سمجھا رہا تھا۔'' بالے نے منہ لٹکا کر کہا۔

Akram Allahabadi

''ہمارا سفر کب تک جاری رہے گا؟'' خان نے اس لڑکی سے پوچھا۔

''آپ کے وقت کے حساب سے چند گھنٹوں کے بات ہے۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''چند گھنٹوں کی؟'' خان نے حیرت سے کہا۔''اس وقت تمہارا سیارہ زمین سے کتنے فاصلے پر ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہماری روانگی کے وقت ۴ کروڑ ۳۵ ہزار میل کا فاصلہ تھا۔'' لڑکی نے بتایا۔

''اور تم اس فاصلے کو چند گھنٹوں کا سفر بتا رہی ہو؟'' خان کی حیرت بدستور قائم تھی۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ میرا مطلب سمجھ جائینگے۔ بہرحال اگر آپ کی گھڑیوں میں کیلنڈر موجود ہے تو ملاحظہ فرمایئے۔'' لڑکی کے یہ کہتے ہی وہ تینوں گھبرا کر اپنی کلائیوں کی گھڑیاں دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرت کا یہ عالم خود خان پر بھی اسی طرح طاری ہوا۔ ان کی گھڑیوں کے تاریخ کے خانے ۲۴ تاریخ بتا رہے تھے۔

''اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ۲ تاریخ کی شب کو روانہ ہوئے تھے۔ خان نے بالے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یعنی آپ کا مطلب ہے کہ ہم ابھی تک ۲۴ دن ۲۴ راتیں سفر کر چکے ہیں۔'' بالے نے بوکھلا کر کہا۔

''۵ گھنٹے اور سات منٹ بھی۔ دراصل کائناتی سفر میں وقت لمحوں میں فریکشن (Fraction) کی طرح گزر جاتا ہے۔ اس کا کوئی ٹھیرا ؤ نہیں۔'' لڑکی بتلانے لگی۔''دراصل یہاں تو اس کا حساب لگانا بھی بڑا مشکل ہے۔''

''تمہاری معلومات بھی کافی وسیع معلوم ہوتی ہے، کیا تم مریخی ہو؟'' خان نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

"میں موسیو سلازاشر کی ایک اوٹی کنیز ہوں۔" وہ ذرا سا جھک کر بولی۔

"مگر یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔" خان نے ہنس کر کہا۔

"آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب آپ کو منزل پر پہنچ کر مل جائیگا۔" وہ یہ کہتی ہوئی اٹھی۔ "میں معزز مہمانوں کیلیے ناشتے کا انتظام کرتی ہوں۔"

انھوں نے دیکھا کہ وہ جس طرح اندر آئی تھی، اسی طرح چلی گئی۔ ویسے بھی اسی سفید سے معلوم ہوتا تھا کہ اس بیضوی کیپسول کا اگلا حصہ کسی کیبن کیلیے مخصوص ہے۔ یہ ممکن ہے وہاں کوئی انجن روم یا کنٹرول سسٹم ہو۔ نشستوں کی پشت پر بھی اسی طرح کا ایک حصہ محفوظ نظر آتا تھا۔ پورا کیپسول سائز میں تقریباً اٹھارہ فٹ لمبا تھا، درمیانی چوڑائی دس فٹ کے قریب تھی۔

"یہ سالا کوئی ضرور جادو کرشمہ ہے، میانی اپن تو سمجھے بھوت کرے دو چار گھنٹے ہوئے ہونگے اور اپنی گھڑیوں میں سالے چوبیس دن بچ چکے۔" شوکت نے اس کے جانے کے بعد اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"ابھی تو ہم راہ میں ہیں، اس کی گفتگو سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اسی طرح ہمیں ۲۵-۳۰ دن اور لگیں گے۔" خان نے کہا۔

"باپ رے۔" شوکت نے منہ کھول دیا۔

"۴۰ کروڑ ۳۵ لاکھ میل کا سفر بھی تو ہے۔" بالے نے لقمہ دیا۔

"کتا بولے میانی کتے کروڑ کتے لاکھ؟" شوکت نے چونک کر پوچھا۔

"چار کروڑ ۳۵ لاکھ۔"

"گز کے میل؟"

"میل۔"

"میاں خان، کہیں یہ پاگلوں کا چکر تو نہیں ہے؟"

Akram Allahabadi

''یہ آسمانی چکر ہے۔''

''یا اللہ رحم۔اپن تو بڑے بوڑھوں سے خالی کہانی مہانی ہی سنتے آئے تھے، یہ سالا تو نہ جانے کیا کیا ہو رہا ہے۔اور یہ موسیو سلازار کیا بول رہی تھیں موترما (محترمہ)۔''شوکت نے خان سے پوچھا۔

''کیا تم ڈاکٹر سلازار کو بھول گئے؟''بالے نے اس سے پوچھا۔

''وہ جو وینس نے حملہ کیا تھا، وئی نا؟ بھائی روشنی میں سے پیدا ہوئے تھے۔''شوکت نے اپنی یادداشت پر زور دے کر کہا۔

''ہاں وہی۔''

''تو وہ کیا آسمان میں ہے؟''

''ہاں، تیسرے چوتھے آسمان پر۔''

''ہوشت۔وہ کیا کوئی پیر پیغمبر ہے؟''

بحث زیادہ بڑھے، اس سے پہلے ہی وہ راکٹی حور پھر آ پہنچی۔شوکت اپنی بات بھول کر اسے دیکھنے لگا۔وہ دیکھنے لائق بھی تھی۔اس نے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹرے اٹھا رکھی تھی، جس پر صرف تین گلاس رکھے تھے۔ان چھوٹے چھوٹے گلاسوں میں گلابی رنگ کا سیال مادہ تھا، جس سے کچھ عجیب سی خوشبو اڑ رہی تھی۔خان اور بالے نے ایک ایک گلاس اٹھا لیا تب وہ شوکت کے پاس آئی۔

''یانی بس اتنا سا ہی ناشتہ ہوتا ہے آپ کے یاں؟''شوکت نے برا سا منہ بنا کر گلاس اٹھایا۔پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے، اس لیے اسے یہ مذاق کچھ ناگوار سا گزرا کہ اتنے بڑے ڈیل ڈول کے آدمی کو سکنجبین کے گلاس کی طرح ایک چلو بھر گلابی شربت دیا جائے۔

''پی کر دیکھیے۔''لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

خان اور بالے کو گلاس حلق میں خالی کرتے دیکھ کر بادل نخواستہ شوکت نے بھی وہ

سیال پی لیا۔ گلاس واپس ٹرے میں چلے گئے، مگر حلق سے اس سیال کے اترتے ہی شوکت کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے حلق تک کھانا کھا لیا ہے۔ پیٹ بھرا معلوم ہوا تو اس کا موڈ سدھر گیا۔

''ہر چے بادا باد۔ اب تو آ ہی گئے ہیں اپن۔'' اس نے شکم سیری کے سرور میں آ کر کسی قدر دلیری سے کہا۔ لڑکی کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ کئی بار شوکت کا جی چاہا کہ وہ اس کے پہلو میں آ بیٹھے، مگر خان کے سامنے ویسے بھی اسے دال گلتی نظر نہ آئی۔ وہ کچھ دیر بعد اٹھ کر چلی گئی۔ خان، بالے اور شوکت کو اس سیال کے پینے کے بعد کچھ غنودگی سی محسوس ہونے لگی۔ شوکت تو ویسے ہی کھانے کے بعد سونے کا عادی تھا، اسے بیٹھے بیٹھے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ نہ جانے اسی طرح کتنا وقت گزر گیا۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ انھیں اس کیپسول میں رفتار ہی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی جھولے میں ٹنگے ہوں۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آوازوں کا جزیرہ

اچانک کیپسول کو ایک جھٹکا لگا اور انھوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ انھیں ایک عجیب سا شور سنائی دیا۔ ایک بڑی خوفناک چنگھاڑ جیسے کوئی خوفناک عفریت دھاڑا ہو۔ شوکت کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بالے بھی چکرا گیا کہ یہاں خلاء میں یہ عجیب اور خوفناک آواز کیسے سنائی دے رہی ہے۔ انھوں نے کھڑکیوں سے باہر جھانکا تو باہر انھیں نیلگوں خلا کے سوا کچھ نظر نہ آیا، جس میں ستارے چمک رہے تھے۔ ایک غیر نہتی خلاء جس میں کچھ بھی نہ تھا، سوائے ویرانی اور دھندلے پن کے، یا سوائے ان کے اپنے کیپسول کے جو اس بے کنار آسمان کی محدودیت میں اپنی منزل کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

وہ ابھی حیرت میں غرق ہی تھے کہ انھیں دوبارہ وہی چنگھاڑ سنائی دی اور اس کے ایک لمحے بعد ہی اس سے بھی خوفناک ایک اور چنگھاڑ۔ پھر دونوں آوازیں ٹکرا گئیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دو کوہ پیکر درندے آپس میں لڑ رہے ہوں۔ وہ گھبرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔

''یہ کیا کوئی خلائی جانور ہیں؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''خدا جانے۔'' خان نے تذبذب کے عالم میں کہا۔ مگر اس کے بعد ہی ایک بھیانک سناٹا چھا گیا۔ ان کا خلائی کیپسول اپنی مخصوص رفتار سے پرواز کرتا رہا۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک پھر ایک خوفناک شور انھیں سنائی دیا۔ یہ ہزاروں ملی جلی آوازوں کا شور تھا۔ عجیب عجیب سی آوازیں انھیں ایسا لگتا تھا جیسے ان کے چاروں طرف یہ شور میلوں تک پھیلا ہوا ہے، لیکن انھیں آسمان کا لامحدود پھیلاؤ ویران ہی نظر آیا۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

Akram Allahabadi

شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ایک عجیب سی خوفناک جھنجھناہٹ،ایک لرزہ خیز گونج اور اس وقت تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھیں کسی آتش فشاں کے پھٹنے جیسا شور خلاء میں سنائی دیا۔

''یا اللہ،رحم۔''شوکت گھبرا گیا۔''میں تو پہلے ہی کے ریا تھا کہ مجھے اس چکر میں مت پھنساؤ،میاں خان۔تم تو ڈوبے ساتھ میں اپن کو بھی لے ڈوبے۔''شوکت نے بالے سے کہا۔

''اسی میں تو دوستی کا مزہ ہے۔''بالے اس وقت بھی اسے چڑانے سے نہ چوکا۔

''تیل لینے گئی ایسی دوستی موستی۔اس مصیبت سے اللہ نے بچایا تو میں صبح شام نماز پڑ کے تمارے نام پر لانت بھیجا کرونگا۔''شوکت جل کر بولا۔اسی وقت ان کا کیپسول اس شور کے اثر سے ہلنے لگا۔خان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔وہ اس میزبان لڑکی کو بلانا چاہتا تھا،مگر اس کا طریقہ بھی اسے معلوم نہ تھا۔کیپسول بہر حال چلتا رہا۔تقریباً پانچ منٹ کے بعد ہی ایک نیا واقعہ ہوا جو ان سب کیلیے اور غیر متوقع تھا۔وہ ابھی اس اسرار کو سمجھ نہ پائے تھے کہ وہ شور بتدریج انسانوں کی آواز میں بدل گیا۔یقیناً یہ شور اس کیپسول کے باہر اس قدر رہا ہوگا کہ کان پھٹ جائیں،کیونکہ اندر سے ہی وہ اتنا صاف سنائی دے رہا تھا۔انھیں ایک ساتھ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں،جیسے کسی یونانی ایرینا میں لاکھوں آدمی جمع ہو کر چیخ رہے ہوں۔شوکت ہی کیا خود خان اور بالے بھی اس وقت ایک عجیب سی دہشت میں مبتلا ہو گئے تھے۔کیونکہ وہ اس شور کے راز سے واقف تھے نہ ہی وہ اس قابل تھے کہ کچھ کر سکیں۔ زمین سے لاکھوں میل دور خلاؤں کے اس پراسرار ویرانے میں وہ خود کو اپاہج محسوس کر رہے تھے اور خدا جانے وہ لڑکی بھی کہاں غائب ہو گئی تھی۔بہر حال اس عالم میں بھی انھیں ایک ڈھارس تھی کہ سلازاران سے غافل نہ ہوگا۔ٹھیک اسی وقت شگاف پیدا ہوا اور میزبان لڑکی اندر آ پہنچی۔وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی تھی۔اس کی کیفیت سے ان کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی۔یہ گھبراہٹ کسی خوف کا نتیجہ نہ تھی،بلکہ اسی وجہ سے تھی کہ وہ خلاؤں کے پراسرار دیس میں ایک بند کیپسول

Akram Allahabadi

میں محصور تھے اور انھیں یہ بھی علم نہ تھا کہ کس نوعیت کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

''کیا بات ہے یہ؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''ہم آوازوں کے جزیرے سے گزر رہے ہیں۔'' لڑکی نے بتایا۔

''اے لو، اب آسمان میں بھی جزیرے اگنے لگے سالے۔'' شوکت اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''یہ آوازیں ساری زمین کی ہیں جو لاکھوں برسوں سے یہاں جمع ہو رہی ہیں۔ موسیو سلازار نے ایک لیکچر میں بتایا تھا کہ آوازیں کبھی فنا نہیں ہوتیں۔ بالا کی فضا میں برقی لہروں کا دباؤ جیسا کم ہوتا جاتا ہے، وہ بھٹکتی بھٹکاتی اور اٹھتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ زمین کے دائرہ کشش سے نکل کر وہ خلاء میں پہنچ جاتی ہیں جہاں کیونکہ نہ برقی لہروں کا بہاؤ ہے نہ مقناطیسی لہروں کا گزر اس لیے تیرتی تیرتی اپنی گونج کی کشش سے ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ ضرور آوازوں کا ایسا ہی جزیرہ ہے جس کے بارے میں موسیو سلازار نے اشارہ کیا تھا۔''

وہ بتاتی گئی اور وہ لوگ بڑی حیرت سے سنتے رہے۔

''تو کیا تمہارا مطلب ہے کہ آج تک زمین پر جس قدر بھی آوازیں انسانوں یا جانداروں یا بے جان چیزوں کے ٹکراؤ سے نکلی ہیں وہ تمام کی تمام یہاں جمع ہوں گی؟'' خان نے بڑی دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

''یقیناً۔ موسیو سلازار کی ہر تھیوری عمل پر پوری اتری ہے اور آج میں نے آوازوں کے جزیرے کو بھی پا لیا۔'' وہ بڑے فخریہ لہجے میں بولی۔

''یانی ہماری آوازیں بھی ہوں گی؟''

''زمین کی کشش سے نکلتے انھیں برسوں لگ جاتے ہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''تو ہمارے باپ دادا کی آوازیں ہوں گی۔'' شوکت نے دوسرا سوال کیا۔

''وہ شاید ہوں، آپ پکار کر دیکھیے۔'' وہ مسکرائی، لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسا ایک

Akram Allahabadi

ہی جزیرہ ہو، ممکن ہے ایسے اور بھی ہوں۔" لڑکی نے بتایا۔

خان پھر آوازوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اسے لڑکی کے بیان سے آوازوں کے اس جزیرے سے گہری دلچسپی ہو گئی تھی۔

"مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" شوکت کی کھوپڑی میں بات نہ سمائی۔

"کیوں، آسان سی بات ہے۔ کسی گھاٹی میں کھڑے ہو کر چیخیے تو آپ کی چیخ کی صدائے بازگشت دیر تک سنائی دیتی رہتی ہے۔ آپ اسے کئی بار سنتے ہیں۔ آواز اگر تباہ ہونے کی چیز ہوتی تو پہلی باری ٹکرا کر ختم ہو گئی ہوتی۔ اور کیا ٹرانسمیٹر سے اونچائی پر برقی لہروں کے ساتھ پھینکی جانے والی آوازوں کو آپ بیک وقت ہزاروں مقامات پر ہزاروں ریڈیو سیٹس پر نہیں سنتے رہتے۔" اس نے شوکت کو سمجھایا۔ اور شوکت نے ان دلائل کی روشنی میں اسے پوری طرح تسلیم کر لیا۔

"یوں تو عکس بھی فنا نہ ہوتے ہونگے؟" بالے نے جو ابھی تک بڑی خاموشی اور استعجاب سے سب کچھ سن رہا تھا، اپنا سوال پیش کر دیا۔

"اس کا جواب آپ کو موسیو سلازار دے سکیں گے، کیونکہ اس مسئلے پر انھوں نے ابھی ہمیں بہت کم بتایا ہے۔" لڑکی یہ کہہ کر پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لیکن تم گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟ آوازوں سے ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟" خان نے لڑکی سے پوچھا۔

"بہت بڑا خطرہ ہو سکتا ہے۔ وائبریشن کی فورس ہمارے کیپسول کو اس کے مقررہ راستے (Trgectory) سے ہٹا سکتی ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو ہم سالہا سال تک خلاء میں بھٹکتے رہ جائینگے۔" لڑکی کے لہجے میں یہ کہتے ہوئے تشویش تھی۔ اس انکشاف سے ان کے چہروں پر پھر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے اور شوکت کا دل تو بہت زور سے دھڑکنے لگا۔ کیسی بھیانک موت ہو گی جب ایک کیپسول میں ان چاروں کی لاشیں سالہا سال تک خلاء میں تیرتی

پھر ینگی ۔اسے اس کے تصور سے ہی جھرجھری آ گئی۔

''میں مریخ سے کنٹکٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور خان، بالے اور شوکت ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

وہ شور ویسا ہی سنائی دے رہا تھا۔ان گنت آوازیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔کبھی سیٹیاں سی بجتی معلوم ہونے لگتیں، کبھی جھنکار سنائی دیتی۔اچانک چند لمحوں کیلیے سناٹا چھا گیا۔خان چونک پڑا۔اس کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں کیپسول اپنے راستے سے ہٹ تو نہیں گیا۔مگر ایک امکان یہ بھی تھا کہ ممکن ہے آوازوں کے جزیرے کی حدود سے وہ نکل آئے ہوں۔اچانک خان چوکنا ہو گیا۔ایک کڑکتی آواز فضا میں سنائی دے رہی تھی۔زبان قدیم رومن تھی اور وہ اسے صاس سن سکتا تھا، لیکن دوسروں کی سمجھ میں یہ سزبان نہیں آ سکتی تھی۔خان نے کیونکہ تاریخ کے مطالعے کے ساتھ ساتھ قدیم زبان کا مطالعہ بھی کیا تھا، اس لیے وہ بہت سی زبانیں سمجھتا تھا۔یہ اور بات ہے کہ وہ انھی بول نہ سکتا ہو۔

''یہ ضرور اگستس بول رہا ہے۔'' خان نے کہا۔

''یانی مہینے بھی اب سالے بولنے لگے۔''

''قدیم روم کا شہنشاہ اگستس (Augustus)۔وہ کہہ رہا ہے، 'رومیو، میں نے تمہارے شہر کو اینٹوں اور غیر تراشیدہ پتھروں کا ایک دیار پایا تھا اور اسے سنگِ مرمر کا ایک خوبصورت شہر بنا کر تمہیں دیا۔تمہیں فخر کرنا چاہیے کہ روم آج زمین کے ماتھے پر ایک ہیرے کی طرح جگمگا رہا ہے اور دیوتا اپولو کا مندر اور وہ دیوتا جولیس کی معبد گاہ اس میں تراشے گئے، جو عظمت و برتری کے نقوش ہیں'۔

خان نے ان الفاظ کا ترجمہ کرتے ہوئے بتایا اگستس کی تقریر ختم ہوتے ہی جیسے روم کے ایرینا میں ایک ساتھ ہزاروں لاکھوں آوازیں گونج اٹھیں۔وہ قدیم رومی زبان میں اگستس زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔انہیں آوازوں میں مداخلت کرتی ہوئی کہیں سے

توپوں کی گرج سنائی دینے لگی۔خان نے جلدی سے اپنی ڈائری نکالی اور اس میں نوٹ کرنے لگا۔یہ کوئی کڑکتی ہوئی بلند آواز میں چیخ رہا تھا۔زبان صاف فرانسیسی تھی۔جس سے کسی حد تک بالے بھی سفر وینس کے دوران وان ہیری کی صحبت میں واقف ہو چکا تھا۔

''میرے جوانمرد سپاہیو،سرزمین فرانس کو تم پر ناز ہے کہ تمہارے بڑھتے ہوئے قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔آندھی اور طوفان کی طرح بڑھو یہاں تک کہ ماسکو کے سارے تمہارے قدموں میں جھک جائیں۔''

''یہ نپولین کی آواز ہے۔''خان بولا،مگر نپولین کی آواز توپوں کی گرج میں دب گئی اور پھر عجیب عجیب سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ایسا معلوم ہوا جیسے نئی اور پرانی آوازیں ایک دوسرے کو کراس کر رہی ہوں۔ہزار لہجے،ہزار الفاظ۔

اور اس آوازوں کے طوفان سے ان کا کیپسول گزر رہا تھا۔غالباً لڑکی کا اندیشہ درست تھا،کیونکہ جب توپوں کے دھماکے ہوئے تھے تو کیپسول لرز سا گیا تھا۔آواز کی دھمک اگر شیشے توڑ سکتی ہے،دیواریں پھاڑ سکتی ہے،کان بہرے کر سکتی ہے تو اتنی بہت سی آوازوں کی صوتی قوت کا کیپسول کو اس کی ٹریجکٹری سے ہٹا دینا کچھ ناممکن بھی نہ تھا۔

''نپولین تقریر کر رہا تھا شاید۔''بالے نے خان سے کہا۔

''ہاں۔غالباً یہ ماسکو پر چڑھائی کے وقت میدانِ جنگ کی اس کی تقریر ہوگی۔بڑا دھواں دھار مقرر تھا۔''خان نے بتایا۔

پھر اچانک ان آوازوں میں مشترک ہو کر ایسا شور پیدا ہوا جیسے ہزاروں گولیاں چل رہی ہوں۔

انسانوں کی چیخ و پکار،توپوں کی گرج۔یہ شور بڑھتا گیا۔کوئی چیخا،'نو فیڈ ریشن'، 'ڈاؤن وتھ لنکن'،دوسری آواز شور سے ابھری۔پھر چیخ و دھماکے اور سناٹا اور اس سناٹے کو چیرتی ہوئی ابراہام لنکن کی آواز سنائی دی۔

امریکہ کا سولہواں صدر شاید گیسٹبرگ کے مقام پر اپنی یادگار تقریر کر رہا تھا۔

میرے عزیز ہم وطنو!

ہم یہاں اس عظیم میدان میں ان سرفروشوں کی روحوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کیلیے جمع ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی جانیں صرف اس مقصد کی خاطر قربان کر دیں کہ قوم زندہ رہے اور یہ ہم لوگوں کا فرض ہے جو حیات ہیں کہ ہم ان کے ادھورے چھوڑے ہوئے کام کو پورا کر دکھائیں اس لیے ہم یہاں خدا کو گواہ بنا کر اور اس کے حضور یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم آزادی و مساوات کی ایک نئی زندگی حاصل کریں گے اور اقتدار عوام برائے عوام بدست عوام کا ہمارا تاریخی فیصلہ صفحۂ زمیں سے کبھی نہ مٹایا جا سکے گا۔

لنکن کی تقریر ہزاروں تالیوں کی گونج میں دب کر رہ گئی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے لوگ بندوقوں کی سنگینوں پر اپنی ٹوپیاں اچھال اچھال کر شور مچانے لگے ہوں۔ یہ شور کچھ دیر تک قائم رہا، پھر شاید جاپان میں زلزلہ آ گیا، کیونکہ جو گھڑ گھڑاہٹ اور جو شور اب سنائی دے رہا تھا اس سے کیپسول بری طرح لرز اٹھا تھا۔ خان، بالے اور شوکت پریشان ہو گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار کا شور کان پھاڑے ڈال رہا تھا۔

''اللہ میاں، کاں کی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔'' شوکت دعائیں مانگنے لگا۔

سامنے کی بند دیوار میں پھر شگاف پیدا ہوا اور میزبان لڑکی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''ہم ٹریجکٹری سے ہٹ گئے ہیں۔ میں نے کئی بار مریخ کو کنٹکٹ کرنے کی کوشش کی، مگر ابھی تک ناکام رہی ہوں۔ ویسے S.O.S. میں نے نشر کر دیا ہے۔'' وہ بتانے لگی۔

''پھر کیا کیا جائے؟'' خان نے پوچھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''کیا یہ کیپسول ریموٹ کنٹرل ہے؟'' خان نے دریافت کیا۔

''جی ہاں، لیکن ٹریجکٹری سے ہٹ جانے کے بعد وہ سسٹم کارآمد نہیں رہتا۔'' لڑکی نے بتایا۔

''ہائے ہتو اپن ایسے بے سروسامان مریں گے؟'' شوکت آہ کھینچ کر بولا۔

''بالے بھائی، سورسالے، خدا تمہیں غارت کرے، اللہ جہنم رسید کرے، کاں بے گورو کفن مروایا ہے۔'' وہ بالے پر بگڑ گیا۔

''تم اکیلے تو نہیں ہو، سب کا حشر ایک جیسا ہی ہوگا۔''

''تمہارا ہی حشر ٹیڑھا ہوگا، اپن تو انشاء اللہ مرے بھی تو جنت میں ہی جائینگے۔'' شوکت کی ضدی فطرت یہاں بھی باز نہ رہی۔

''لیکن جب ایسا خطرہ تھا تو راکٹ کیپسول کو اسی ٹریجکٹری پر رکھا ہی کیوں گیا؟'' خان نے اس سے ہی سوال کیا۔ اسے کچھ شبہ سا ہو رہا تھا۔

''راکٹ کا راستہ بالکل درست تھا، لیکن یہ آوارہ کا جزیرہ شاید خلاء میں تیرتا رہتا ہے۔ زمین سے ہماری روانگی تک راستہ بالکل صاف تھا۔'' اس نے بتایا۔

''ایسے ہنگامی موقعے کیلیے کیا اس کیپسول میں کوئی علیحدہ مشینی سسٹم نہیں ہے؟''

''ہے کیوں نہیں، لیکن اسے صرف سوپر سولر ریز (suer solar rays) ہی حرکت میں لاتی ہے۔ اور وہ اس غیر متوقع حادثے کی وجہ سے ہم سے دور ہو چکی ہیں۔ ان کا بہاؤ ایک تکونے ڈائرکشن میں ہی ہوتا ہے۔ مثلاً اخراجِ سورج سے ٹکراؤ مریخ سے اور مریخ سے جس تیسری منزل کی طرف انھیں رجوع کرنا مقصود ہو اس طرف اس طرح ایک مثلث قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس منزل کے بالائی اتحداب سے ٹکرا کر وہ پھر سورج کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔'' لڑکی نے بتایا۔

''تعجب ہے کہ اس قدر غیر معمولی سائنسی معلومات رکھتے ہوئے بھی تم خود کو مجبور محسوس کر رہی ہو۔'' خان نے گویا طنز کیا۔

Akram Allahabadi

''کائنات کی بے کراں وسعتیں اسرار کے بے پناہ ذخیرے رکھتی ہیں۔قدرت کے سربستہ رازوں کو سمجھتے سمجھتے شاید انسانوں کی آخری نسل بھی گزر جائیگی۔''میزبان لڑکی کے اس معقول جواب نے خان کو لاجواب سا کر دیا۔وہ پریشانی میں ہاتھ پر ہاتھ مارنے لگا۔باہر شور بدستور جاری تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے صرف وہی بلند آوازیں اندر تک سنی جا رہی ہیں جو یا تو سناٹے میں بولی گئی ہوں،یا جن میں گرج دھما کے زیادہ ہوں،یا شور بہت رہا ہو۔

کیونکہ سنائی دینے والی آوازوں کے پس پردہ ایک مستقل بھنبھناہٹ تھی جو چھوٹی یا باریک آوازوں کی ہوگی۔

''تو کیا مرنے کیلیے تیار ہو جانا چاہیے؟''بالے نے پوچھا۔

''موت اس قدر جلد تو نہیں آئیگی،بس یہی ہو سکتا ہے کہ ہم خلاء کی وسعتوں میں بھٹکتے بھٹکتے مر جائیں،لیکن مجھے توقع ہے کہ موسیو سلازار ضرور ہمیں تلاش کرائیں گے۔خدا کرے وہ ہمیں بچالیں۔''لڑکی نے آہ بھری۔

''کیا تم بھی خدا کو مانتی ہو؟''خان نے پوچھا۔

''ہمارے یہاں مذہب ایک بہت اعلیٰ سائنسی تخیل ہے جس میں کوئی شاخیں نہیں ہیں۔سب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کائنات کے اس لامتناہی سلسلے کا پیدا کرنے والا اور اسے ایک مستقل نظام بخشنے والا کوئی ایک منبع تخلیق ہے اور وہی سب سے اعلیٰ سب سے برتر سب سے طاقتور اور قادر مطلق ہے۔موسیو سلازار خود اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حرکت و حیات کا ایک خودکار نظام جو بھی عالم وجود میں لایا ہو وہی ہمارا خدا ہے۔''لڑکی نے بڑے فلسفیانہ انداز میں بتایا۔

''تو آؤ،ہم اسی رب العالمین سے دعا کریں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔''خان نے ان سب کو مخاطب کیا اور خاموشی سے ان کی نگاہیں چھت کی طرف اٹھ گئیں۔عقیدت کی نظریں چھت کے پار اپنے نادیدہ معبود کے رحم و کرم کو تلاش کر رہی تھیں اور کیپسول اپنے مقررہ راستے

سے ہٹ کر بھٹکتا چلا جا رہا تھا، حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ آوازیں اور وہ شور مدھم ہونے لگا۔ اور پھر کچھ دیر بعد ایک بڑا بھیانک، بڑا ویران سناٹا چھا گیا۔ اب ان کے چاروں طرف خلاء کی نیلگوں دھند حدِ نظر تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کے پار چھوٹے بڑے ستارے بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ سورج کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ خدا جانے وہ کس منزل میں تھے؟

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آوارہ فلک

"شوکت بھائی، اپنی بداعمالیوں کیلیے خدا سے توبہ کرلو۔اب ہمارا آخری وقت آگیا ہے۔" بالے نے بیٹھے بیٹھے شوکت کو چھیڑا۔

"اے لو، تو اپن نے کون سی بداعمالی کی ہے سالی۔ یائی زبردستی توبہ کرلو۔" شوکت نے جز بز ہو کر کہا۔

"خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔" بالے نے دہرایا۔

"تو میں جھوٹ بول رہا ہوں گویا۔"

"کیا تم نے اپنی زندگی میں کم از کم ایک گروس لڑکیوں سے عشق نہیں فرمایا؟"

"میاں خان، عشق کرنا اگر گنا ہوتا تو سالے لیلیٰ مجنوں بھلا عشق کرتے۔اور یائی وہ عشقِ مجاز لکھنوی اور عشقِ حقیقی پھر کیا تمہارے باپ کو کہتے ہیں؟"

شوکت کو خان کے سامنے اپنی پول کھلتی سمجھ پڑنے سی لگی۔ وہ جل کر بولا۔

"یار، موت کے منہ بیٹھے ہو اور تھانا کاٹراپن نہیں گیا ابھی تک۔"

"میاں خان، میں پکی مسلمان نہیں ہوں، موت کو جہاں آنے کی ہوگی سالی وہیں آئیگی، کوئی سات سمندر کے پردے میں بھی چھپ کے نہیں بچ سکتا۔ تمہیں توبا تلا کرلو، بھوت رشوتیں کھائی ہونگی، کتوں کو پھانسی چڑھوایا ہوگا۔" شوکت نے الٹا اسی کو نصیحت کی۔

"یا خدا، میرے ساتھ ساتھ شوکت بھائی کے بھی گناہ معاف کردے۔" بالے دعا مانگنے لگا۔

"تم لوگوں کو مسخرا اپن سوجھا ہے۔" خان نے انھیں ڈانٹا۔

Akram Allahabadi

''اب جب مرنا ہی ہے تو رونے دھونے سے فائدہ؟''

''تو شریف آدمیوں کی طرح مرو۔''

''آپ بسم اللہ کیجیے، ہم پیروی کرینگے۔'' بالے نے کہا۔

خان جواب میں کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ لڑکی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں پھر کوشش کرتی ہوں، شاید S.O.S. کیلیے کنکٹ مل جائے۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور خان بالے اور شوکت کو بھول کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

مگر ان کی ہر کوشش رائیگاں گئی۔ اس لڑکی نے اگرچہ کیپسول راکٹ کا خودکار سسٹم بھی معطل کر دیا تھا، مگر کیپسول خلاء میں بھٹکتے ہوئے راستے پر بہتا ہی جا رہا تھا۔ شاید یہ اس کی رفتار کی فورس کا نتیجہ تھا۔ اپنی کوشش میں ناکام ہو کر وہ پھر ان کے پاس آ گئی۔ اس کا رنگ بھی زرد ہو رہا تھا۔

''کیا کوئی چارہ نہیں ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''کسی غیبی مدد کا انتظار ہی کیا جا سکتا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی۔

''اسی صورت میں اگر یہ کیپسول کسی شہاب ثاقب سے ٹکرا جائے؟'' خان نے پوچھا۔

''تو تباہ نہیں ہو سکتا، البتہ اس کی فورس سے کچھ اور غلط سمت میں پڑے گا۔''

اس نے بتایا۔ ''یہ ایسی دھات سے بنا ہے جس پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ حتیٰ کہ سورج کے قریب کی حدت بھی، کیونکہ اس کی سفیدی ان کرنوں کو جذب کرنے کی بجائے واپس کر دیتی ہے۔'' وہ بتانے لگی۔

''محترمہ، آپ سائنسی معلومات ہی پیش کرتی رہینگی یا کچھ کرینگی بھی؟'' بالے سے نہ رہا گیا۔ اس قسم کی گفتگو سے اسے بہت بوریت ہوتی تھی۔

خان بالے کو اس انداز تکلم پر ڈانٹ سنانے ہی والا تھا کہ انھیں اچانک کھڑکیوں

سے ہو کر اندر بڑھتی ہوئی ایک سبز روشنی کا بڑا سا دھبہ تیرتا نظر آیا۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا اور یہ روشنی اسی کے عکس کا نتیجہ تھی۔ وہ دھبہ اور زیادہ روشن اور بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ قریب آنے پر وہ روشنی کا ایک گرداب نظر آنے لگا، بڑی تیزی سے گردش کرتا ہوا۔

''شاید موسیو سلازار نے مدد بھیجی ہے۔'' خان نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کم از کم میں نے تو کبھی مریخ پر ایسی کوئی شے نہیں دیکھی۔'' لڑکی نے کہا۔

''سلازار کے سیکڑوں اسرار ایسے ہیں جو شاید کوئی بھی نہ جانتا ہو۔'' خان نے بتایا۔

''کیا آپ ان سے اچھی طرح واقف ہیں؟''

''ہاں، بہت پہلے سے۔''

''آپ ان کے دوست ہیں؟''

''اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں تو یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے، ورنہ اس میں شک نہیں کہ سلازار ایک ایسی عظیم قوت کا نام ہے جس کے سامنے میں اپنے آپ کو ایک ذرے کی طرح سمجھتا ہوں۔'' خان نے سلازار کی عظمت کا اعتراف کیا۔

''مسکہ۔'' بالے کے منہ سے نکلا۔

''میاں خان، پہلے تو جان کی امان مانگو اللہ میاں سے، پھر یہ مسکے وسکے کی باتیں کرنا، یانی وئی بات ہوئی کہ موت آئی تو سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر لیں۔'' شوکت نے اپنی دانست میں اسے جھاڑ سنائی۔ حالانکہ خان اور اس لڑکی کی گفتگو سن کر خود اس کا دل بھی ڈوبا جا رہا تھا، صرف یہ سبز روشنی کا گرداب ہی اس مایوسی کے اندھیرے میں امید کی ایک موہوم سی کرن بن کر آیا تھا۔ وہ قریب آتا جا رہا تھا اور بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ سبز روشنی کا گرداب اور شش پھر وہ اس طرح قریب ہوا کہ ان کا کیپسول راکٹ اس میں سما گیا۔ وہ کسی گردش کرتے ہوئے ڈھول میں لڑھکنے والے پتھروں کی طرح اندر لڑھکنے لگا۔ کیپسول تیزی سے گردش کرنے لگا۔ اور اندر سوائے تیز روشنی کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس گردش میں بالے کا جسم ایک نرم و گداز جسم سے ٹکرا

گیا۔لڑکی نے خود ہی مضبوطی سے اسے تھام لیا تھا۔شاید وہ بری طرح خوفزدہ ہوگئی تھی۔ وہ بالے سے لپٹ گئی اور بالے اس وقت موت کو بھی حسین تصور کرنے لگا۔وہ گداز جسم اپنی باہوں کو اس کی کمر میں کس کر لپٹا ہوا تھا۔یہ کیفیت نہ جانے کب تک رہی،لیکن وہ زیادہ دیر ہوش میں نہ رہ سکے۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نامعلوم دنیا میں

انھیں جب ہوش آیا تو انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رسیوں سے کسے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان کے بدن پر ان کے کپڑوں کے سوا کوئی شے نہ تھی۔ انھیں ایک پلیٹ فارم پر رکھا گیا تھا اور ان کے چاروں طرف ایک عجیب مخلوق کا ہجوم تھا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے، یہ اگر خواب یا طلسم ہوتا تو شاید اسے تسلیم بھی کرلیا جاتا، لیکن نہ تو یہ خواب تھا اور نہ وہ کسی طلسم پر یقین کرنے کو تیار تھے۔ یہ لمبی گردن والی مخلوق انسان جیسی ہی کسی نسل سے تعلق رکھتی ہوگی۔ ان کے سر چھوٹے، چہرے کتابی اور دانت باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ آنکھیں گول تھیں، البتہ ناک بڑی صاف اور اٹھی ہوئی تھی اور کان بھی کچھ بڑے تھے، مگر انسانوں جیسے ہوتے ہوئے بھی وہ نیچے سے نوکدار تھے۔ سر پر ایسے گھونگریالے سنہرے بال تھے جیسے افریقہ کے حبشیوں کے ہوتے ہیں۔ رنگ تانبے جیسا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی گردن تقریباً تین فٹ لمبی ضرور تھی، جس پر چھوٹا سا سر وہ جدھر چاہتے گھما سکتے تھے۔ ان کے ہاتھ چھوٹے چھوٹے مگر انگلیاں کسی قدر لمبی تھیں۔ سینہ اور پیٹ یعنی بیچ کا دھڑ کسی صندوق کی طرح چاروں طرف سے پھولا ہوا تھا۔ جس پر انھوں نے ایک پٹیوں سے بنایا ہوا ڈھیلا لباس پہنا تھا۔ جو رومن غلاموں کے ڈھیلے ڈھالے بغیر آستین کے چوغے سے ملتا جلتا تھا۔ ان کی ٹانگیں موٹی اور ستونوں جیسی یکساں موٹائی میں تھیں۔ پیر موٹے اور ہر پیر کی چھ انگلیاں تھیں جو لمبائی اور موٹائی میں ایک دوسرے کے برابر تھیں۔ وہ گردن اور سر سمیت اوسطاً پندرہ فٹ اونچے تھے اور اپنی لمبی گردنیں جھکائے ہوئے ان چاروں کو دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے اور بے ہنگم قہقہے لگانے لگتے۔ ان کے قہقہوں کی آواز ایسی تھی جیسے کہیں بہت دور بادل گرج رہے ہوں۔ وہ جس چبوترے پر کھڑے تھے، یہ ستارے کی شکل کا بنا تھا اور آہستہ آہستہ گردش کر رہا تھا تاکہ ہزاروں

کا یہ جمِ غفیر انھیں بہ آسانی دیکھ سکے۔ کچھ افراد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارے سے دوسروں کو یہ بتا رہے تھے کہ یہ چاروں خلاء سے پکڑے گئے ہیں۔کوئی آسمانی مخلوق ہیں۔خان نے نظریں آسمان پر ڈالیں تو اسے دور شمال مشرق میں ایک بڑی سی روشن گیند آسمان میں معلق نظر آئی آسمان روشن تھا۔جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کہیں بھی ہوں لیکن نظام شمسی کے اندر ہی ہیں۔اس ہلکی بے تمازت روشنی میں بھی انھیں آسمان پر کہیں کہیں ستارے دکھائی دے رہے تھے اور ایک چمکیلا سا غبار فضا میں پھیلا ہوا تھا۔یہ جگہ شاید کوئی میدان یا اسٹیڈیم جیسی کوئی چیز تھا۔اس کے باہر انھیں ایسی عمارتیں نظر آئیں جن کی ساخت عجیب سی تھی بس جیسے زمین میں سوئیاں گاڑ دی گئی ہوں۔وہ اوپر سے نوکیلی اور نیچے سے پھیلی ہوئی تھیں۔مگر ان میں سے ہر ایک کی نوک پر سبز روشنی سی جھلک نظر آ رہی تھی۔لباس کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ یہ کوئی ترقی یافتہ ناطق مخلوق ہے، لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ ان کے مزاج اور ان کے شعور نے اس رنگ کو اپنایا ہو۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان لمبی گردن والوں میں سے ایک اونچائی پر چڑھ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ کلمات کہے۔آواز دور کے بادلوں کی گھڑگھڑاہٹ سے مشابہ مگر ہلکی تھی۔وہ اب ایک ہاتھ کی انگلی سے آسمان پر نظر آنے والے ایک ستارے کی طرف اشارہ کرنے لگا۔کچھ شور سا سنائی دیا پھر وہ منتشر ہونے لگے اور ذرا سی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔مگر خان نے دیکھا کہ وہ موٹے پیروں کی وجہ سے زیادہ تیز نہیں چل سکتے تھے۔

''شاید اس زمین کی کشش ثقل زیادہ ہے، ممکن ہے اسی وجہ سے اس مخلوق کے پیر بوجھل ہونے کی وجہ سے موٹے ہو گئے ہیں۔''خان نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میں سمجھتی ہوں ہم مریخ سے زیادہ دور نہیں، البتہ کسی غیر دریافت شدہ ایسٹرائڈ میں ہیں۔''لڑکی نے بتایا۔

''کیا تمھیں بھی ان لوگوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں؟''

''نہیں۔ممکن ہے موسیو سلازار کو خبر ہو۔'' وہ بولی۔

''مگر انھیں یہ خبر کیسے ہوگی کہ ہم یہاں پہنچ چکے ہیں؟'' خان نے پوچھا۔

'' جلد یا بدیر انھیں خبر ضرور ہو جائیگی۔یہ اچھا ہوا کہ ہم بے نشان، بے منزل خلائی وسعتوں میں بھٹکنے کی بجائے یہاں لے آئے گئے۔'' لڑکی کہنے لگی۔اب وہ پہلے کی بہ نسبت مطمئن نظر آ رہی تھی۔

اسی وقت ایک عجیب سی گاڑی ان کے چبوترے کے نزدیک آ کر ٹھہر گئی۔اس میں چھوٹے چھوٹے سولہ پہیے لگے ہوئے تھے۔اس کی شکل کسی بندوق کے کارتوس سے ملتی جلتی تھی۔ پیچھے کی طرف اس میں دو نالیاں سی لگی تھیں۔گاڑی کے رکتے ہی لمبی گردن والے چار افراد جو اس چبوترے کے دائیں بائیں کھڑے تھے ان کے قریب آ گئے۔گاڑی کا ڈھکنا اوپر سے کھل گیا۔اس میں سے ویسا ہی ایک لمبی گردن کا آدمی نکلا جس کی ننھی سی کھوپڑی پر ایک چمکیلی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ان چاروں نے اسے دیکھ کر اپنی گردنیں لمبی کیں اور جھکا دیں۔اس نے کچھ کہا۔انھوں نے کچھ جواب دیا۔پھر چاروں قیدیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پٹی والے آدمی کے پاس ایک گول چیمبر والی عجیب ساخت کی چھوٹی سی گن تھی جس کا ٹرائیگر ایک گول سا بٹن تھا۔اس نے بٹن دبا دیا۔اس گن کی نال سے جو چھ باریک نالوں سے مل کر ایک بنی تھی، سبز روشنی کی ایک موٹی لہر نکلی اور ان چاروں پر پڑتے ہی پھیل گئی۔اس نے انھیں اپنے حلقے میں لے لیا۔ان کی آنکھیں کچھ دیر تک سبز روشنی سے خیرہ ہوتی رہیں پھر وہ مدھم ہو گئی۔انھوں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ آزاد ہیں۔ہاتھ پیر ہلائے تو وہ حرکت کرنے لگے تھے۔اس پٹی والے نے انھیں گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔خان بلا معترض آگے بڑھنے لگا۔

''میاں خان، یہ کون سا ملک ہے؟'' شوکت نے آہستہ سے بالے سے پوچھا۔

'' یہ وہی ملک ہے جس کی شان میں چچا غالب خان کہہ گئے ہیں،

؎ یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے۔''

بالے نے اسے غالب کا شعر سنا دیا۔شوکت اس عالم میں بھی ہنس پڑا۔

"یانی یہ پری چیرا لوگ ہیں سالے، یا اونٹ کی اولاد، ہاتھی کے پیندے۔" شوکت نے ان آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"چچا غالب خان کا ارشاد ہے..."

"تیل لینے گئے وہ بھی۔میں خان صاحب سے پوچھتا ہوں، کون سی جگہ ہے یہ؟" شوکت جھنجلا گیا

"اسے کڑاما نک پور کہتے ہیں۔" بالے جلدی سے بول اٹھا۔

"ہوشت۔وہ ملک تو سالا ہندوستان میں ہے۔"

"تو تم کیا اپنے آپ کو جہنم میں سمجھ رہے ہو۔ڈیئر سکھٹ، یہ افریقہ ہے اور ہم جرانوں کے شہر میں پھنسے ہیں۔"

"اے لو، ابھی کچھ دیر پہلے خلاء میں بھٹک رہے تھے اور ابھی سالے افریقہ پہنچ گئے۔"

"تو پھر میں کیا جانوں کونسا ملک ہے، میں بھی تو تمہارے ساتھ آیا ہوں۔"

"مگر یہ لمبی گردن والے کون سی قوم ہیں سالے۔اور یہ اپنا کیا کریں گے؟"

"یہ اپنا اچار ڈال کر بینگن کے بھرتے کے ساتھ کھائیں گے۔"

"تمہاری ایسی کی تیسی، وہ سالی موتر ما کے سامنے لاڈ میں آ رہے ہو۔"

"چپ رہو تم لوگ۔" خان نے اس گاڑی میں بیٹھتے ہوئے انھیں ڈانٹا۔

"خان صاحب بھی اپن کو ہی ڈانٹتے ہیں اور اس سالی اپنی سگی کو کچھ نئیں کہتے۔" شوکت نے برا سا منہ بنا کر بالے سے کہا۔

"وہ بے چاری بولی ہی کب ہے؟"

"ہاں، کر لو تم بھی طرفداری کائے کو نئیں، چوکھٹہ سیدھا ہے نا۔"

Akram Allahabadi

وہ گاڑی نما شے ان کے دیکھتے دیکھتے دوڑتے ہوئے اڑنے لگی۔ اس کا رخ ایک ویسی ہی سوئی نما عمارت کی طرف تھا۔ کمان سے چھوٹے ہوئے ایک تیر کی طرح وہ اونچائی پر اس عمارت کے ایک تکونے دروازے میں داخل ہوگئی۔

جس وقت آپ سے آپ اس کے پٹ کھلے تو انھیں ایک تکونا ایوان نظر آیا۔ یہاں کی ہر شے مثلث تھی۔ سامنے جو نشستیں تھیں، وہ بھی مثلث، انکے پائے بھی تین تھے۔ ایوان کی چھت اوپر کی طرف جا کر نوکدار ہوگئی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سب سے اوپری منزل پر ہیں۔ ان کی وہ عجیب سی گاڑی وسط میں رکھی تھی۔ چاروں طرف نشستوں پر وہی لمبی گردن والی مخلوق انھیں بیٹھی نظر آئی۔ وہ دو محافظ جو انھیں ساتھ لائے تھے، باہر کھڑے تھے۔ انھوں نے خان اور ساتھیوں کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ جب باہر نکلے تو وہ تمام لوگ اپنی گردنیں لمبی کر کے سر آگے کر کے انھیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ پھر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بڑے بے ہنگم، بے سرے انداز میں ہنس پڑے۔ ان کے بڑے بڑے دانت باہر جھانکنے لگے۔

''سبحان اللہ۔ اونٹوں کی ہنسی آج دیکھی ہے۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''سالے اپن کو جانور مانور سمجھ رہے ہیں کسی چڑیا گھر کا۔'' شوکت نے کہا۔

درمیانی نشست پر بیٹھا ایک آدمی جو اپنے سینے پر کسی زرہ کی طرح سرخ بیلٹ پہنے تھا اور جس کے سر پر بکرے کے سینگ کی طرح تین کلغیاں لگی تھیں، جن کے اوپری سرے لٹو کی طرح گول اور سرخ تھے، اپنی زبان میں ان محافظوں سے مخاطب ہوا۔ اس نے جو کچھ کہا ہو، مگر آواز ایسی ہی تھی جیسے واقعی کہیں اونٹ بلبلا رہا ہو۔ وہ دونوں محافظ چلے گئے اور چند لمحوں بعد اس ایوان میں ایک تکونی ٹیبل لیے داخل ہوئے، جس کے اوپر ایک ایسی مشین رکھی ہوئی تھی جس کے چاروں طرف سیاہ جالیاں تھیں اور اندر بنفشی لہریے نظر آ رہے تھے۔ اس کے اوپر ایک ہشت پہل ٹوکری سی لگی تھی جس کے درمیان تین سلاخیں چمک رہی تھیں۔ ان سلاخوں کے

سرے بھی گول اور بنفشی تھے۔ بہت سے تار اس مشین میں پیوست نظر آ رہی تھیں۔ درمیان میں مشین سے کچھ فاصلے پر ایک مثلث نما فریم رکھ دیا گیا، جس سے مشین کا ایک تار پیوست تھا۔ مشین سے قریب ہی ایک خود جیسی چیز رکھی تھی، جس میں کئی خانے بنے تھے اور نیچے جو ہک ایسے لگے تھے، جن پر دو دو انچ کے قطر کی نلکیاں سی لگی تھیں۔ خان کیونکہ آگے تھا، اس لیے وہ خود اسی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا۔

''یہ کیا سالے پھانسی چڑانے جا رہے ہیں کہ بجلی سے ماریں گے؟'' شوکت نے بالے سے پوچھا۔

''دیکھتے جاؤ۔'' بالے نے مختصراً کہا۔

خان نے وہ خود جیسی چیز پہن لی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ مشین ضرور ٹیلی پیتھک ٹرانسمیٹر ہے، جس کے ذریعے خیالات کو منتقل اور وصول کیا جا سکتا ہوگا۔ آپریشن وینس کے واقعے پر وہ ایسی ہی ایجادات دیکھ چکا تھا۔

مشین کو آن کرتے ہی ایک خفیف سی گونج پیدا ہوئی۔ اس وقت ایک کلیمپ نما شے جو ویسے ہی ایک نرم تار سے مشین کے ساتھ منسلک تھی، اس سردار نما آدمی کو ان محافظوں نے پیش کی۔ اس نے اسے اپنے سر پر چڑھا لیا۔ نچلے سرے دونوں طرف اس کی کنپٹیوں سے پیوست ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ تکونا پردہ اچانک سیاہ ہوا اور پھر روشن ہو گیا۔ یہ روشنی بنفشی رنگ کی تھی۔ پھر وہ مدھم پڑی۔ اور لمحہ بھر بعد اس میں دماغی لہروں کے تانے بانے تیزی سے بننا شروع ہو گئے۔ خان کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس سے پوچھ رہا ہو تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟

خان کیلیے اسی انداز میں، یعنی بذریعہ خیال جواب دینا ضروری تھا، اس لیے اس نے اپنے ذہن کو مرکوز رکھ کر عالمِ خیال میں کہا۔

''ہم لوگ سورج کے تیسرے سیارے سے آئے ہیں۔ ہمارے سیارے کو ارتھ یا زمین کہتے ہیں، جو تین حصہ پانی اور ایک حصہ خشکی سے بھری ہوئی ہے۔ ہم وہاں کے انسان

ہیں۔"

"انسان کسے کہتے ہیں؟" اس کے ذہن میں سوال موصول ہوا۔

"ایسے بولنے والے جاندار جو سوچنے اور سمجھنے کا شعور رکھتے ہیں اور جو کرۂ ارض کے تمام جانداروں میں سب سے مکمل، افضل اور طاقتور ہیں۔" خان نے عالمِ خیال میں کہا۔

"ہم بھی یہاں کی سب سے افضل اور سوچنے سمجھنے کا شعور رکھنے والی مخلوق ہیں۔" ادھر سے کہا گیا۔

"مگر تم خلاء میں کیوں بھٹک رہے تھے؟"

"ہمارا کیپسول راکٹ اپنی ٹریجکٹری سے ہٹ گیا تھا، ورنہ ہماری منزل مریخ تھی۔" خان کے ذہن نے جواب دیا۔

"تم ہماری خلائی حدود میں داخل ہو چکے تھے اور یہ ایسا جرم ہے جس کی سزا ہمارے قانون سے بہت سخت ہے۔"

"جو کچھ ہوا ہے وہ غیر ارادی اور نا دانستہ ہوا ہے اور کم از کم ہماری دنیا کا کوئی قانون کسی بے قصور کو سزا نہیں دیتا۔"

"تم مریخ کس نیت سے جا رہے تھے؟"

"موسیو سلا زار کے مہمان کی حیثیت سے۔"

"سلا زار۔" خان کو دوسری طرف سے ذہنی جھٹکا موصول ہوا۔ اس نے دیکھا ان سب کے منہ بن گئے، آنکھیں چمکنے لگیں۔

"مریخ کا وہ ڈکٹیٹر جو ہمارا بدترین دشمن ہے۔" اشارہ موصول ہوا۔

"سلا زار کسی کا دشمن نہیں ہو سکتا ہے، وہ ایسے جذبات سے بالاتر ایک عظیم شخصیت ہے۔" خان کے ذہن نے جواب دیا۔

"تم بہت عرصے پہلے کی بات سوچ رہے ہو۔ آج کا سلا زار ایک خونخوار وجود ہے

جو دور دراز مخلوقوں پر بھی اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے اور کیونکہ تم ہمارے دشمن کے مہمان بن کر جا رہے تھے، اس لیے تمہیں اور بھی بری سزا دی جائیگی۔"

"لیکن ہم تمہارے لیے کوئی بری نیت نہیں رکھتے؟"

"اس کا فیصلہ ہمارا مقتدر اعلیٰ کرے گا۔"

"کم سے کم ہمیں یہ تو بتایا جائے کہ ہم اس وقت کس مقام پر ہیں اور کن لوگوں کے درمیان ہیں۔"

"یہ الیسٹرائڈیوں اسٹارز ہے جو سورج سے ۶ کروڑ سال نور کے فاصلے پر سورج کے چوتھے اور تیسرے سیاروں کے درمیان ۳۵ ڈگری کا کھڑا زاویہ بناتا ہے۔ ہم نے تمہارے سیارے کو اپنی طاقتور دوربینوں سے دیکھا ہے، مگر ہم کسی سے تعلق پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ ہماری اپنی دنیا ہمیں عزیز ہے۔"

"شاید تمہیں سلازار نے دوست بنانے کی ہی کوشش کی ہو اور تم نے الٹا جواب دیا ہو؟"

"چپ رہو، اس کا نام بار بار نہ لو، ورنہ تمہارے دماغ کی نسیں پھاڑ دی جائینگی۔"

یہ ایک ایسی دھمکی تھی جس نے خان کے ذہن کو وقتی طور پر خاموش کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ جو کچھ بھی سوچے گا اسی کے دماغ سے اس پراسرار مشین کے ذریعے اس پردے پر نشر ہونے والی لہریں اس کا راز فاش کر دیں گی، لیکن کوشش کے باوجود وہ از خود پیدا ہونے والے ذہنی ردِعمل کو قابو میں نہ کر سکا۔ اس کا ذہن بھی سلازار کی برائی سننے اور قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کے ذہن میں فطری طور پر یہی خیال پیدا ہوا کہ یا تو یہ لوگ بیوقوف ہیں، یا مفسد۔

اس خیال کی لہریں پردے پر منتقل ہوتے ہی وہ لوگ بگڑ گئے۔ ان کا سردار اٹھ کھڑا ہوا۔ باقی لوگ آپس میں بڑبڑانے لگے۔ خان کے ذہن میں غصے میں بھرا ان کے سردار کا خیال موصول ہوا۔

"تم ہمارے بارے میں برے خیالات رکھتے ہو۔ تمہیں سزا ملے گی۔"

خان مجبور ہو گیا۔ وہ آخر کر بھی کیا سکتا تھا۔ قدرتی طور پر ان کی باتوں کا جو ردِ عمل اس کے ذہن میں پیدا ہوا تھا اسے روکنا یا چھپانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

اس کے بعد سردار نے سب کی طرف نظر ڈالتے ہوئے شاید اپنا فیصلہ سنایا۔

''یہ لوگ قابلِ رحم نہیں۔ انھیں بگولوں کی وادی میں پھینک دیا جائے۔''

جواب میں سب نے اپنی گردنیں اونچی کر دیں۔ مقصد شاید یہ تھا کہ وہ اس فیصلے کی تائید کرتے ہیں۔ خان نے خود وہ ٹوپ اٹھا کر رکھ دیا۔ بالے نے دیکھا اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

''کیا ڈبہ گل؟'' اس نے اپنے انداز میں پوچھا۔

''وہ ہمیں سزا دے رہے ہیں۔''

''کائے کی سزا مزا، اپن نے ان سالوں کا جرم کونسا کیا ہے؟''

''ہمارا جرم یہی ہے کہ ہم سلازار کے مہمان بن کر جا رہے تھے۔''

''کون جا رہا تھا؟ اے لو، سالی یاں بھی زبردستی، واں بھی زبردستی۔'' شوکت نے کہا۔

''بزدلی دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں، ہمیں سر بلند رکھ کے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔'' خان نے انھیں حوصلہ دیا۔

''سر بلند تو ہمارے میزبان لوگ ہیں۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''خدا جانے کیا ہو گیا ہے جو ابھی تک موسیو سلازار نے خبر نہیں لی۔'' لڑکی کے منہ سے نکلا۔

''ہوا کیا ہے پتھر۔ اب تمہارے سلازار خان کوئی علم الغیب نہیں کہ جامے جمشید جی سے دیکھ کے فرشتوں کی فوج موج بھیج دیں گے۔'' شوکت جل کر بولا۔

''اللہ کو یاد کرو تو شاید کچھ بھلا ملا ہو جائے۔'' وہ بزرگانہ انداز میں بولا۔

''شوکت بھائی، تم پیر بن جاؤ، ہم مرید بن جاتے ہیں، چلو اللہ اللہ کریں گے۔''

Akram Allahabadi

بالے نے اس ناخوشگوار ماحول میں بھی ہنستے ہنستے مرنے کے فلسفے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

''کائے کے پیر کائے کے مرید، جان بچ جائے تو سمجھو بھوت ہے۔ نہیں تو یہاں تو کوئی سالا قبر پے فاتیا پڑنے والا بھی نہیں ملے گا ڈھونڈھے سے۔''

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ محافظوں کو اشارہ کر دیا گیا۔ انھوں نے خان اور ساتھیوں کو دوبارہ اس گاڑی نما شے میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بجز تعمیل کوئی چارہ نہ تھا اس اجنبی ماحول میں۔ اگر کوئی جرأت بھی کی جاتی تو نہ جانے کی اانجام ہوتا۔ خان نے سوچا ممکن ہے آگے کوئی سبیل نکل آئے۔ وہ خاموشی سے اندر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے بھی سوار ہو گئے۔ گاڑی کا ڈھکن برابر ہو گیا اور وہ اڑ چلی۔ وہ دونوں محافظ اندر ہی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں گول چیمبر اور چھوٹے دہانے کے بیرل والی عجیب ساخت کی شاید بندوقیں ہی تھیں۔ وہ ان کے سامنے اور پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔

''بالے بھائی، کیا سزا دیں گے یہ سالے اپن کو؟'' شوکت نے پوچھا۔

''یہ ہمیں آسمان میں الٹا لٹکا دیں گے تاکہ چمگادڑیں ہم سے عبرت حاصل کریں اور چرخ کج رفتار ہمارے سر پر ڈھول بجائے۔'' بالے نے جواب دیا۔

''اے لو، آپ کو مزاخ سوجا ہے ایسے آرے وقت پے۔''

''نہیں تو کیا بیوہ عورتوں کی طرح سر پیٹ کر روئیں؟''

''کیا تم لوگ خاموش نہیں رہ سکتے۔'' خان نے دونوں کو ڈانٹ دیا۔

''آپ شاید کچھ سوچنے کے موڈ میں ہیں۔'' بالے نے پوچھا۔

''ہاں، میں سوچ رہا ہوں کہ گاڑی چلا کون رہا ہے۔''

''کوئی پردہ نشین ہوگا اگلے حصے میں۔''

''نہیں، مجھے یہ خودکار (self control) سسٹم معلوم ہوتا ہے۔'' خان نے کہا۔

''تب؟'' بالے نے پوچھا۔ لیکن اسے جواب حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ اس نے خان کی نظروں میں وہ خوفناک چمک دیکھ لی تھی جو ان دو محافظوں پر باری باری نظر ڈالتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی۔ پھر خان نے بالے کو اشارہ کیا۔ بالے اس کا مطلب سمجھ گیا۔ خان نے اس وقت اشارے سے محافظوں میں سے ایک کو اپنی طرف بلایا۔ اس نے ساتھی کی طرف دیکھا پھر خان کی طرف بڑھا اور اپنی لمبی گردن جھکا کر اس کے چہرے کے قریب لے آیا۔ خان نے اچانک اس کی گردن دبوچ لی۔ اس کی آنکھیں نکل پڑیں۔ وہ گھبرا کر پیر پٹکنے لگا۔ اسی وقت دوسرا اس کی مدد کیلیے بڑھا ہی تھا کہ بالے اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ اس نے اس کی گردن کسی درخت کے تنے کی طرح گرفت میں لے لی۔ اس مخلوق نے سر پلٹا کر اپنے بڑے بڑے دانتوں سے اسے کاٹنے کی کوشش کی، مگر بالے کے ایک گھونسے سے اس کا سر گھوم گیا۔ وہ لوگ طاقت میں یقیناً زمین کے انسانوں سے بہت زیادہ تھے، لیکن جس طرح خان اور بالے نے ان پر حملہ کیا تھا، اس سے وہ بے بس ہو گئے۔ ان کی گردنیں ہی شاید ان کی سب سے بڑی کمزوری تھیں اور زیادہ پھرتی اس لیے وہ نہیں دکھا سکے کہ ان کے ہاتھ بہت چھوٹے اور پیر ستونوں کی طرح موٹے اور بھاری تھے۔

بالے کا شکار اپنے ہاتھ سے اپنی وہ گول چیمبر والی گن سنبھال ہی رہا تھا کہ شوکت کو عقل آ گئی، اس نے اتنی زور سے اس کے ہاتھ پر لات ماری کہ گن چھوٹ کر گر پڑی۔ شوکت نے جلدی سے اسے اٹھا لیا۔ بالکل یہی طریقہ اس لڑکی نے دوسرے کے ساتھ اختیار کیا۔

''ہنڈ زاپ۔'' شوکت نے بندوق ان کی طرف کر کے کہا، مگر وہ کیا سمجھتے۔

''اس کی ضرورت نہیں یہی اچھا کیا جو انھیں نہتا کر دیا۔'' خان نے وہیں سے کہا۔

خان اور بالے نے اس وقت ان کی گردنیں نہ چھوڑیں، جب تک کہ ان کا دم نہ نکل گیا۔ وہ انھیں پوری طاقت سے دباتے گئے، یہاں تک کہ محافظوں کی زبانیں حلق سے نکل پڑیں۔ ان کے بے دم ہوتے ہی خان اور بالے نے انھیں چھوڑ دیا۔ وہ کٹے ہوئے لٹھوں کی

طرح گر پڑے اور انکی بندوقیں ان کے قبضے میں چلی گئیں۔

''چلیے ایک تو ختم ہوگیا، اب؟'' بالے نے پوچھا۔

''اب تو جو کچھ سوچا جا سکتا ہے، وہ اسی منزل پر پہنچ کر جہاں ہمیں لے جایا جا رہا ہے۔''

''ہمیں ضرور اس جگہ لے جایا جا رہا ہے، جہاں سے ہم زندہ اور سلامت نہیں نکل سکیں گے۔'' بابے بولا۔

''ارادے نیک اور عزم مصمم ہو تو کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی آتی ہے۔''

''ہر چے بادا باد۔ اب تو اپن کو بھی اس ہیڈ وینچر میں مزا آ رہا ہے۔'' شوکت موڈ میں آ کر بولا۔

''مرنا تو بہر حال ایک ہی بار اور ایک ہی دن ہے۔'' خان بولا۔

''شوکت بھائی زندہ بچے تو اب کی بار ہم لوگ اولین فرصت ہی میں شادی کر ڈالینگے۔'' بالے نے شوکت کو مشورہ دیا۔

''کیوں؟ کائے کو؟''

''کم از کم اپنے بعد اپنا نام چلانے والا تو کوئی ہوگا۔''

''یار کون تمہاری خالہ جان ملیں گی شادی کرنے کیلیے؟'' شوکت نے پوچھا۔

''اپنی ہمسفر کے متعلق کیا خیال ہے؟'' بالے نے اسے کہنی مار کر آہستہ سے پوچھا۔

''چیز تو سالی دل میں بٹھانے لائق ہے، مگر اللہ جانے سالی جنات کی قوم سے ہے یا چڑیل بھوت ہے۔'' شوکت بولا۔

''وہ ہماری ہی طرح انسانوں میں سے ہے، ایک عورت۔''

''ہوشت۔ اپنے یاں اورت سالی کنیں ایسی چمکتی ہے؟ یہ تو سالی مالوم ہوتا ہے کسی دھات مات سے بنائی گئی ہے۔''

''ابھی کیا ہے، مریخ تو پہنچو۔ سلازار نے وہاں ایسے ایسے نمونے جمع کیے ہیں کہ ہر

Akram Allahabadi

قدم، ہائے، مجھے دردِ جگر نے مارا، کا نعرہ مارتے چلو گے۔"

"ابے جاؤ میاں خان، کوئی میں اتا شیر فریاد (شیریں فرہاد) نہیں ہوں۔ تیل لینے گئیں سالی سب۔ یانی جان ہے تو جہاں ہے، نئیں تو کائے کی پیر میں کائے کی مرمٹیں۔" شوکت نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا۔

"تم تو میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے ہو۔ جہاں جوتوں کی باری آئی سارا عشق ہوا ہوا جاتا ہے۔"

"اور لو، تو اپن کیا یاں عشق مشق کرنے آئے ہیں؟"

"عشق کے بغیر زندگی مکمل ہی نہیں ہوتی۔"

"اچھا فرض کرلو کہ ابھی ہی ان موترما سے عشق کرنے لگوں اور کل مریخ پونچ کے یہ اپن کو ٹھینگا دکھا دیں تو پھر؟" شوکت نے سوال کیا۔

"تو پھر یہ نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔"

"پتھر سے سئی۔ میاں خان، پیلے جان کی تو خیر مناؤ، پھر ہری ہری سوچنا۔"

ان محافظوں کے ان عجیب ساخت کی گنوں پر قبضہ کر لینے کے بعد خان نے اگرچہ ان کے آپریشن سسٹم کا اندازہ کرلیا تھا، لیکن عمل نامعلوم تھا۔

وہ گاڑی اسی طرح فضا میں پرواز کرتی رہی۔ اس کی رفتار تیر کی طرح تیز معلوم ہوتی تھی۔ اندر سنائی دینے والی ہلکی سی گونج سے پتا چلتا تھا کہ اس کے عقبی حصے میں یقیناً راکٹ جیسی کوئی چیز یا چیزیں لگی ہونگی، جس کی پش فورس سے اس کی رفتار اتنی تیز مگر باقاعدہ ہے۔ وقت کا اندازہ یہاں لگانا ہی مشکل تھا۔ احتیاطاً وہ پھر کچھ وقفے کے بعد اپنی گھڑیوں کو چابی دینے لگتے تھے اور بات حیرتناک بھی تھی کہ ان کی گھڑیوں کی چابی جلدی جلدی ختم ہوجاتی تھی۔ بہرحال ان کی گھڑیوں کے اندازے سے یہ پرواز کم از کم ایک گھنٹے کی تھی۔

☆☆☆

بگولوں کی وادی

اچانک انھیں محسوس ہوا کہ یہ گاڑی یا راکٹ گاڑی پیچھے کی طرف جا رہی ہے اور سر کے بل جا رہی ہے، کیونکہ ان کے کلیجے منہ کی طرف آتے محسوس ہونے لگے تھے اور وزن جیسے بالکل ہلکا ہو گیا تھا۔ پھر آپ سے آپ وہ جیسے غوطہ لے کر سیدھی ہوتی معلوم ہوئی اور اچانک قطعی غیر متوقع طور پر جن سیٹوں پر وہ بیٹھے تھے، ان کے نیچے کا فرش درمیان سے نیچے کی طرف اس طرح کھل گیا جیسے دروازے کے دو پٹ کھل جاتے ہیں اور وہ بیٹھے بیٹھے ایک دم نیچے گر پڑے۔ انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی گھنی دھند میں یا دبیز کہر میں ڈوبتے جا رہے ہوں اور وہ راکٹ نما گاڑی ایک دھندلے عکس کی طرح دوبارہ اوپر اٹھ کر پرواز کرتی دور بلندیوں کی طرف چلی جا رہی تھی۔ جب خان کے قدم کسی ٹھوس سطح پر ٹکے تو اس نے اس دھند میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا، اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ تنہا ہی تھا۔ اس خشک سی کہر میں زیادہ دوری چیز دکھائی بھی نہ دیتی تھی۔ خان نے اپنی جیبوں کو ٹٹولا، اس کی جیب میں تہہ کی ہوئی ابرق کی عینک موجود تھی جو اس نے آنکھوں پر چڑھائی۔ مگر اس سے بھی کوئی خاص مدد نہ ملی سوائے اس کے کہ وہ دھند جو آنکھوں میں گھستی معلوم ہوتی تھی، اس میں اس کی نظریں قائم ہو گئیں۔ اسے دور سیاہ سے دھبے نظر آئے، لیکن یہ اس کے ساتھیوں کے سائے ہرگز نہ تھے۔ مجبور ہو کر وہ وہیں بیٹھ گیا کہ ممکن ہے کچھ وقت میں یہ صاف ہو جائے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح بے چارگی کی موت مرنا بھی حماقت ہی تھی، اس لیے اس نے انجام کی پرواہ کیے بغیر ان دھبوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ وہ اس دھند میں با آسانی چل سکتا تھا اور عینک لگانے کے بعد زیادہ سے زیادہ پانچ قدم دور کی چیز اسے کسی قدر صاف نظر بھی آ سکتی تھی۔ لیکن یہ اگر ایک ایسا ہی مقام تھا جہاں ہر وقت یہ کہر چھائی رہتی ہو تو یہاں سے بچ نکلنا ہی بڑا مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا

تھا۔اس نے ہمت پھر بھی نہ ہاری۔اسے معلوم تھا کہ ایسی ہی عینک بالے کے پاس بھی ہے، جسے وہ کسی بھی ایمرجنسی کیلیے موٹر سائیکل وغیرہ کے نمبر لینے کو کام میں لے آتا تھا۔بعض ضروری چیزیں وہ ہمیشہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔اسراس خلائی سفر کیلیے تو پہلے سے خان نے کچھ چیزیں اپنے ساتھ لے رکھی تھیں جو اس کے جسم پر تھیں۔بالے بھی ان ہی چیزوں سے مسلح تھا۔ خان کو یقین تھا، اگر چہ وہ گرتے وقت منتشر ہو گئے ہیں، لیکن بالے بھی اسی طرح اسے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوگا اور ان میں فاصلہ تو یقیناً بہت زیادہ نہ ہوگا اور پھر جب دونوں مل گئے تو پھر شوکت اور اس لڑکی کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔یہ بھی اسے یاد تھا کہ خیالات کے نشریے کے وقت ان کے سربراہ نے اس مقام کو بگولوں کی وادی کہا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تو صرف مصیبتوں کا آغاز ہے آگے اور بھی بہت کچھ ہوگا جو یقیناً ہلاکت خیز ہی ہو سکتا ہے، ورنہ انھیں یہاں کیوں ڈالا جاتا۔

وہ سوچتا اور چلتا ہوا ایک سیاہ سے دھبے کے قریب پہنچ گیا جو کہ اب اور بڑا نظر آنے لگا تھا، لیکن اس کی کوئی شکل ابھی تک سمجھ میں نہ آئی تھی۔خان اس لیے رک گیا کہ کہیں وہ اس مقام کا کوئی خونخوار جانور یا کوئی خوفناک مخلوق نہ ہو۔وہ اسی فکر میں تھا کہ شاید اس کا سایہ دیکھ کر اس دھبے میں حرکت پیدا ہوئی۔وہ اونچا ہونے لگا پھر پھیلنا شروع ہوا اور اس کی شکل زیادہ صاف نظر آنے لگی۔وہ ایک عجیب سی ہیئت کا جانور تھا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح پھولتا جا رہا تھا کہ جیسے کسی غبارے میں ہوا بھری جا رہی ہو۔اس کی جسامت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے جسم پر کانٹے کانٹے سے نظر آنے لگے۔اس کا منہ چھوٹا سا، لیکن چپٹا اور پیٹ کا حصہ کسی گنبد کی طرح گول اور کافی بڑا دکھائی دیا۔اس کی دم بھی تھی، جو موٹی اور چھوٹی سی تھی اور ادھر ادھر لہرا رہی تھی۔وہ منہ کھول کر سانس لے رہا تھا یا کھینچ رہا تھا۔اس آس پاس کی دھند اس کے حلق میں اس طرح سماتی جا رہی تھی، جیسے دھواں کسی چمنی پر سمٹتا ہے۔وہ گویا اس دھند کو اپنے پیٹ میں بھر رہا تھا۔دھند کم ہوتی جا رہی تھی اور کچھ دیر بعد خان کو فضا صاف نظر آنے لگی۔اس

نے دیکھا تقریباً دوسو دو دو گز کے فاصلے پر ایسے ہی اور بھی جانور ہیں جو اسی طرح سانس کھینچ رہے ہیں اور ان کے پیٹ پھولتے ،جسم بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک کا جسم تقریباً تیس فٹ قطر کی گیند کی طرح نظر آنے لگا۔ ان کے منہ بطخ کی چونچ کی طرح چپٹے اور پھیلے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور گول تھیں جو اس طرح باہر نکلی ہوئی تھیں، جیسے علیحدہ سے چپکائی گئی ہوں۔ ان کی پتلیاں سبز تھیں۔ وہ اپنی موٹی اور چھوٹی دمیں بار بار ادھر ادھر جھٹک رہے تھے۔ فضا صاف ہونے پر خان کو بالے نظر آیا۔ وہ ابھی عینک چڑھائے خان کو آواز دیتا اسی طرف آ رہا تھا، مگر آواز اتنی مدھم سنائی دیتی تھی جیسے بہت دور سے آ رہی ہو، حالانکہ وہ بہت دور نہ تھا۔ اس نے اب خان کو دیکھ لیا تھا، اس لیے ہاتھ ہلانے لگا تھا۔ خان کو یہاں سانس لینا کچھ دشوار محسوس ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اندر سے اسے ایک عجیب سی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

ان جانوروں نے انھیں دیکھ لیا تھا، لیکن خان نے ان کی رفتار سے اندازہ لگایا کہ انھوں نے اپنے اندر اس قدر ہوا یا کہر بھر رکھی ہے جب اگر وہ چلنا بھی چاہیں تو ان کے پھولائے، چھوٹے پیر بمشکل ایک منٹ میں چار قدم بڑھ سکیں۔ ان کے چاروں پیر چھوٹے اور ان کے پنجے پھیلے ہوئے تھے، جن پر لمبے لمبے نوکیلے ناخن تھے۔ ان کے اس قدر آہستہ اور بدقت چلنے کے انداز سے خان ان کی طرف سے مطمئن ہو گیا کہ اول تو وہ بے ضرر معلوم ہوتے ہیں، دوسرے وہ اگر چاہیں بھی تو دوڑ کر کسی کو پکڑ نہیں سکتے، کسی پر جھپٹ نہیں سکتے، لیکن پہلا خیال خان کو بدلنا پڑا کیونکہ اسی وقت جب ایک جانور نے اپنا چپٹا منہ کھولا تو خان یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ اس کا کھلا دہانہ اس قدر بڑا تھا کہ اگر یہ جانور تیزی سے سانس لے تو سامنے کھڑا ہوا ایک آدمی با آسانی اس کے پیٹ میں جا سکتا ہے۔ ان جانوروں کے منہ میں دانت نہیں تھے اور نہ زبان تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اسی مخصوص جسم کی دھندلی ہوا یا کہر یا دھند پر ہی زندہ رہتے ہیں اور خصوصاً اسی علاقے کی مخلوق ہیں۔ بالے خان کے قریب آ گیا۔

اس وقت بالے کو دیکھ کر ایک جانور بڑی مشکل سے اس کی طرف گھوما، مگر بمشکل دو قدم ہی بڑھ سکا۔ بالے اتنی دیر میں جست مار کر خان کے قریب پہنچ گیا تو وہ جانور اپنی آنکھوں کی پتلیاں گھما گھما کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ یہ اندازہ لگانا بھی کچھ مشکل نہ ہوا کہ جب تک یہ جانور اس وقت اپنے پیٹ میں پوری طرح بھری ہوئی اس ہوا یا گیس یا دھند کو خارج نہ کر دیں، ان کے لیے مزید کھینچنا یا سانس کے ذریعے کسی چیز کو کھینچنا ناممکن ہے۔

''دوسرے لوگ کہاں ہیں؟'' خان نے بالے سے پوچھا۔

''میں نے بھی نہیں دیکھا۔ سب سے پہلے آپ ہی نظر پڑے ہیں۔''

''چلو تلاش کریں۔'' خان یہ کہہ کر آگے بڑھا، مگر اسے محسوس ہوا کہ اس گیس یا دھند یا ہوا سے فضا خالی ہو جانے پر ان کے قدم وزنی ہو کر اٹھ رہے ہیں۔

''آواز دو، شاید ان تک پہنچ جائے۔'' خان نے بالے کو مشورہ دیا اور بالے دوسرا ہاتھ منہ پر دائیں بائیں لگا کر پوری قوت سے چیخا۔

''شوکت بھائی۔''

''اس لڑکی کا نام تو معلوم نہیں؟'' وہ ٹھہر کر خان سے بولا۔

''اس کا نام لینے کی ضرورت بھی نہیں، یہی آواز سن کر وہ متوجہ ہو جائیگی۔'' خان بولا۔ اس وقت انھیں کہیں بہت دور سے شوکت کی آواز سنائی دی۔ آواز اسی کی تھی، اس لیے ان دو کے سوا تیسرا مرد وہی تھا۔

''معلوم ہوتا ہے بھائی کہیں دور پہنچے ہیں۔''

''یہ بات نہیں ہے، بلکہ آواز کو تیزی سے دور لے جانے والی ہوا کی لہریں یہاں بہت مدھم ہیں اور دھند یا گیس میں بھی آواز کا تیز جانا مشکل ہوتا ہے۔''

''اے میاں خان، کاں مر گئے۔'' انھیں دوبارہ شوکت کی آواز سنائی دی۔

''کہیں نظر نہیں آ رہا۔'' خان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''معلوم ہوتا ہے بھائی آسمان سے ٹپک کر کہیں کھجور میں جا اٹکے۔'' بالے بولا۔

''تمہاری کھوپڑی بھی مرمت طلب ہو رہی ہے آج کل۔ کوئی درخت نظر آ رہا ہے کیا؟''

''ابے کاں ہو، بالے بھائی۔ میں مر رہا ہوں، ارے بچاؤ۔'' شوکت پھر چیخا۔

''ادھر آیے۔'' کہیں سے ایک باریک نسوانی آواز بھی سنائی دی۔

''ارے وہ رہا۔'' خان کے منہ سے نکلا۔ بالے نے اس کی نظروں کی سیدھ میں دیکھا۔ ایک جانور جو بیٹھے بیٹھے جھول گیا تھا۔ شوکت اس کے غبارے جیسے پیٹ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس کا صرف سر باہر نظر آ رہا تھا اور ایک ہاتھ جو وہ بار بار زمین پر پٹک رہا تھا۔

''اب کیا کیا جائے؟'' بالے نے خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس جانور کا پیٹ پھاڑ دینا چاہیے۔''

''چاقو تو ہے میرے پاس۔'' بالے بولا۔

''تو بسم اللہ۔'' خان آگے بڑھا۔

دونوں پشت کی سمت سے اس جانور کے قریب پہنچ گئے۔ دوسرے جانور انھیں بدستور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''میں چاقو مارتا ہوں، آپ انجام سوچ لیجیے۔'' بالے نے چاقو کھولا۔

اور پھر جھپٹ کر اس کا پورا پھل اس مخلوق کے پیٹ میں گھسیڑ دیا۔ وہ ربڑ کی طرح نرم تھی چاقو اس نے باہر کھینچ لیا۔ وہ جانور بری خوفناک آواز میں دھاڑا، پھر اس نے پلٹنے کی کوشش کی، مگر اس سے جلدی پلٹا نہ گیا۔

خان نے دیکھا اس کے پیٹ کے شگاف سے وہی دھند یا دودھیا گیس یا کہر باہر نکل رہی تھی، جس طرح پنکچر ہونے والے کسی ٹیوب سے ہوا نکلتی ہے۔ وہ گیس بالے کے منہ پر پڑی اور اسے چھینکیں آ گئیں۔ اس میں عجیب سی بدبو تھی۔ اس عمل کے ساتھ ہی خان نے شوکت

کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔اس کے باہر نکلتے ہی وہ اسے دور تک علیحدہ گھسیٹ لائے۔اس وقت انھیں ایک سمت سے وہ لڑکی آتی نظر آئی۔اس کے پیر میں کچھ چوٹ آ گئی تھی۔وہ لنگڑا کر چل رہی تھی۔

''کم آن میڈم۔ہراپ۔''بالے نے اس کا ہاتھ تھام کر کھینچا۔

لیکن اس جانور کے پیٹ پھٹنے سے نکلنے والے دھند یا دودھیا گیس کے پھیلنے کا ردِ عمل یہ ہوا کہ دوسرے جانوروں نے بھی اپنی گیس حلق سے خارج کرنی شروع کر دی۔جس طرح آگ بجھاتے وقت کسی ہوز پائپ سے پانی کی موٹی سی دھار نکلتی ہے،اسی طرح ان کے بھاڑ جیسے کھلے منہ سے وہ دودھیا گیس سفید دھواں یا کہر خارج ہو رہی تھی۔

''سب اکٹھا ہو جاؤ۔''خان نے جلدی سے کہا۔اور بالے اور شوکت کو بازوؤں سے تھام کر اپنے قریب کھینچ لیا،مگر کچھ شرم اور کچھ ہچکچاہٹ کی وجہ سے وہ لڑکی علیحدہ ہو گئی۔ اچانک ان جانوروں سے خارج ہونے والی اس گیس کے آپس کے ٹکراؤ سے اس ہوا،یا گیس کے بگولے بننا شروع ہو گئے جو بڑی تیزی اور طاقت سے گردش کرتے ہوئے بڑھنے لگے۔ خان،بالے اور شوکت اس دھند کے طوفان میں گھر گئے۔اس ہوا کے جھونکے اتنے تیز تھے کہ اگر وہ اکٹھا نہ ہوتے تو نہ جانے کہاں انھیں لے جا کر پھینکتے۔اس وقت انھیں اس لڑکی کی چیخ سنائی دی۔خان نے چونک کر دیکھا،قریب کھڑی وہ لڑکی ایک جھٹکے میں بہت دور پہنچ چکی تھی۔ وہ ایک بگولے کے بیچ میں تیزی سے چکر کھاتی چلی جا رہی تھی،جیسے کوئی پھرکنی ہو۔

''کچھ نہیں ہو سکتا،اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''خان پریشانی سے بڑبڑایا۔

''خدا جانے وہ بگولا اسے کہاں لے جا کر پٹکے۔پھر ایک طاقتور بگولے نے ان کے بھی قدم اکھاڑ دیے۔وہ تینوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔وہ انھیں اڑا تو نہ سکا،البتہ بہت تک گھسیٹتا لے گیا۔یہاں تک کہ وہ زمین پر اوندھے گر پڑے۔اس کے بعد جب وہ سنبھل کر کھڑے ہوئے تو پھر انھیں ایک دوسرے بگولے نے دور تک دھکیل دیا۔وہ کبھی دائیں سمت

دھکیلے جاتے کبھی بائیں سمت اور شور اس قدر تھا کہ جیسے کوئی بہت بڑا طوفان آیا ہو۔

''خبردار ہاتھ نہ چھوٹنے پائیں۔'' خان نے انھیں دوبارہ تنبیہ کی۔ ''ورنہ پتا بھی نہ چلے گا اس ویرانے میں۔''

یہ کیفیت تقریباً نصف گھنٹے تک رہی۔ پوری آبادی بگولوں کی آماجگاہ بنی رہی۔ ہر طرف بگولے ناچ رہے تھے اور جب دو یا دو سے زیادہ بگولے ایک دوسرے سے ٹکرا کر آپس میں مدغم ہو جاتے تو ایک نیا بگولا بن جاتا۔ ان بگولوں میں انھیں کچھ سیاہ دھبے بھی اڑتے گرتے نظر آئے۔ خان نے اندازہ لگا لیا کہ وہ یقیناً ان جانوروں میں سے ہونگے جنھوں نے اپنی گیس خارج کر دی تھی اور ہلکے ہو گئے تھے۔

تقریباً نصف گھنٹے کے بعد یہ بگولے منتشر ہونا شروع ہوئے۔ ہوا کا جوش سرد پڑتا گیا اور پھر یہ گیس یا دھند ساری وادی میں پھیل گئی۔ انھیں یا تو لمبی لمبی سانسیں لینی پڑ رہی تھیں یا اب سانس گھس رہی تھی۔

''یہ تو گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل والی وادی ہے۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''وہ بے چاری نہ جانے کاں گئی سالی۔'' شوکت نے اس لڑکی کیلیے اظہارِ افسوس کیا۔

''وہ اسی وادی میں کہیں بھٹکتی ہمیں مل جائیگی، مگر اگر ہم نے یہاں سے نکلنے کی جلد کوشش نہ کی تو یہیں ہماری قبریں بن جائینگی۔'' خان بولا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عجیب مخلوق

وہ اب اس دھند میں آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔اس دھند میں وہ جانور انھیں سیاہ دھبوں کی طرح زمین پر تیرتے نظر آرہے تھے۔وہ سمٹ کر چھوٹے چھوٹے ہو گئے تھے۔اگلے پیروں کے پنجوں میں سر ڈالے پڑے تھے۔

''اگر ہم ان کے پیٹ پھاڑ دیتے تو یہ خطرہ ہی نہ رہ جاتا۔''بالے نے مشورہ دیا۔

''عقل کیا گھاس چر گئی ہے؟ پیٹ پھاڑ دیں گے تو یہ دھند اسی طرح قائم ہو کر رہ جائیگی۔ابھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر تھوڑی دیر بعد وہ بطورِ سانس کے اسے کھینچتے ہیں اور پھر خارج کر دیتے ہیں۔یہی ان کی زندگی ہے۔اور یہ وقفہ بیس سے تیس منٹ کا ہوتا ہے۔''خان نے بتایا۔

''یانی اتنی لمبی سانس لیتے ہیں یہ سالے،بیس بیس منٹ کی۔''شوکت حیرت سے بولا۔

''خدا کی قدرت کے تماشے ہیں،شوکت بھائی۔تم اگر خوش نصیبی سے زمین پر زندہ واپس پہنچ گئے تو وہاں تمہاری ان چشمِ دید چیزوں کے بیان پر کوئی یقین بھی نہ کریگا۔''بالے بولا۔

''اے لو،تو کیا اپن زندہ واپس نہیں جا سکتے؟''

''اب تو شامتِ اعمال سے ایسی غلط جگہ آ پھنسے ہیں کہ پتا نہیں اس وادی میں جان جاتی ہے یا آگے کہیں۔''خان بول اٹھا۔

''اللہ رستہ دکھائیگا اپن کو۔''شوکت جلدی سے ایمان کا رشتہ جوڑتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''جہاں تک بڑھ سکو، بڑھے چلو۔ یہاں سانسیں بوجھل ہو رہی ہیں۔'' خان نے انھیں گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ''اور جب وہ سانسیں کھینچنے لگیں اور دھند صاف ہو تو جس قدر تیز دوڑ سکو، دوڑنا۔''

وہ بلا اندازہ لگائے ناک کی سیدھ میں چلتے ہی رہے۔ جہاں جہاں انھیں سیاہ دھبے نظر آجاتے، وہ ان سے کترا جاتے۔ اسی طرح تقریباً بیس پچیس منٹ گزر گئے۔ انھیں دھند آہستہ آہستہ چھٹتی معلوم ہوئی۔ کبھی ایسا لگتا جیسے کوئی انھیں کھینچے لے رہا ہو، کبھی کسی دوسری طرف سے کھنچاؤ محسوس ہوتا، جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ جانور اب سانس کھینچ رہے ہیں اور وہ دھند سمٹ کر ان کے منہ میں جانے لگی ہے۔ فضا کے صاف ہوتے ہی وہ تیزی سے دوڑنے لگے۔ دھند ابھی تک سمٹ رہی تھی۔ بھاگتے بھاگتے اچانک بالے کا ہاتھ خان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ان کے سامنے ہی ایک جانور کھڑا انھیں گھور رہا تھا۔ اس کا بھاڑ جیسا منہ کھلا ہوا تھا۔ خان اس سے کترا کر نکل رہا تھا کہ بالے کا ہاتھ چھوٹا۔ شوکت بالے کا ہاتھ چھوڑ کر دو قدم پیچھے رہ گیا تھا کہ اس جانور نے اور زور کی سانس لی۔ بالے کے پیر اپنی جگہ سے اکھڑ گئے اور وہ ایک جھٹکے سے اس کے منہ کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

''خان صاحب۔'' شوکت چیخا۔ خان جب تک پلٹے، بالے اس کے پیٹ میں پہنچ چلا تھا۔ خان گھبرا گیا۔ شوکت کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔ لیکن اس تذبذب کو چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ اس جانور کا پیٹ چاک ہوا اور اسی دھند کے ساتھ بھرے بالے باہر آگرا۔ اس کے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا، لیکن وہ خود بھی گھبرایا ہوا تھا۔

خان نے دوڑتے ہی اسے سنبھالا تو وہ اپنا منہ پونچھنے لگا۔ پھر اسے قے ہو گئی۔ شوکت دوسری طرف سے اسے سنبھالنے لگا۔ خان اور شوکت دونوں بازوؤں سے تھام کر وہ دوڑنے لگے۔ تب تک اس جانور کے پیٹ کی گیس یا دھند یا کہر خارج ہوتی رہی۔ اس کہر کے پھیلتے دیکھ کر دوسرے جانوروں نے بھی گھبرا کر اپنی گیس خارج کرنی شروع کر دی۔ ان کے

دہانے کھل گئے اور دھویں کی موٹی تیز دھار باہر نکلنے لگی۔

بہر صورت وہ کافی دور نکل آئے۔ یہاں تک کہ انھیں ایک سمت کوئی پہاڑی سی نظر آنے لگی۔

''بس یہیں ٹھہر جاؤ۔'' خان نے کہا۔

بالے کو وہیں ایک پتھر جیسی سخت چیز پر، جس کا رنگ بھورا بھورا تھا، بٹھا دیا گیا۔ وہ جانور اب پیچھے رہ گئے تھے اور سامنے تھوڑی تھوڑی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں، جن میں بڑے بڑے غاروں کے تاریک دہانے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دھند یہاں ہلکی ہلکی تھی۔

بالے کے حواس کچھ ٹھکانے ہوئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے خان، تم اس سالے کے پیٹ کے اندر گھس گئے تھے؟'' شوکت نے پوچھا۔

''ہاں۔ اور اگر یہ چاقو نہ ہوتا تو ابھی تک اس کے پیٹ میں میری ہڈیاں بھی گل گئی ہوتیں۔'' بالے نے بتایا۔

''کیا بھٹی مٹی تھی اندر؟'' شوکت نے گویا مذاق اڑایا۔

''یہ دیکھو۔'' بالے نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سامنے پھیلا دیے۔ واقعی ان پر نیلے نیلے چھالے پڑ گئے تھے۔ کچھ باریک چھالے بالے کے چہرے پر بھی نظر آئے۔

''چلو ادھر ان غاروں کی طرف دیکھیں۔ یہاں فضا گرم ہو رہی ہے، ممکن ہے وہاں ٹھنڈ ہو۔'' خان نے غاروں کے تاریک دہانوں کی طرف اشارہ کیا۔

شوکت نے بالے کو سہارا دینا چاہا، مگر وہ خود ہی چلنے لگا۔ خان آگے تھا۔ وہ ایک دہانے کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ اچانک شوکت کی نظر دور ایک بھوری چٹان کے نزدیک پڑی کسی چیز پر پڑ گئی۔

''کہیں وئی موتر ما تو نہیں سالی۔ پہاڑ سے ٹکرا گئی ہوگی۔'' شوکت نے کہا۔ خان

اور بالے بھی متوجہ ہو گئے۔

قریب پہنچنے پر انھیں وہی لڑکی نظر آئی۔اس کے سر پر ماتھے کے قریب زخم آیا تھا۔ لیکن خون بہہ کر خشک ہو چکا تھا۔وہ بے ہوش تھی۔خان نے پہلے تو اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی پھر اسے کندھے پر اٹھا لیا اور ایک قریبی غار کی طرف بڑھنے لگا۔

غار کے اندر بھی بھورے پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے تھے۔اندر کافی خنکی تھی۔لڑکی کو ایک پتھر سے لگا کر لٹا دیا گیا۔اور وہ اس سوچ میں بیٹھ گئے کہ آگے کیا کیا جائے۔ حالات سمجھ ہی میں نہیں آ رہے تھے۔خدا جانے اس بگولوں کی وادی میں اور کیا کیا مصیبتیں تھیں۔ایک ایسے مقام پر جس کے بارے میں کچھ جاننا تو دور، کچھ سوچنا بھی ناممکن تھا۔کسی قسم کی مدد کی توقع کرنا بھی حماقت تھی۔

شوکت جس پتھر پر بیٹھا تھا، وہ اچانک اچھلا اور شوکت کی چیخ نکل گئی۔خان اور بالے بھی چونک پڑے اور ایک لمحے بعد وہ پتھر بھی زمین سے تقریباً تین فٹ اچھل گیا جس پر خان بیٹھا تھا۔بالے کے ساتھ بھی یہی ہوا۔وہ تینوں اچھل کر علیحدہ ہو گئے۔اس وقت خان نے جب غور سے دیکھا تو وہ پتھر آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے۔یہ عمل تقریباً نصف منٹ تک رہا۔پھر وہ پہلے کی طرح ساکن ہو گئے۔خان نے اس وقت ایک پتھر کو چھو کر الٹ کر غور سے دیکھا۔وہ قطعی پتھر تھا۔البتہ کچھ نرم قسم کا پتھر معلوم ہوتا تھا۔

خان نے نمونتہً ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر ہاتھ پر رکھا، پھر اسے مٹھی میں دبا کر دیکھنے لگا۔اس کی ہتھیلی کی گرمی جیسے ہی اس پتھر کو لگی، وہ اس کے ہاتھ سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ خان سوچ میں پڑ گیا۔

''یہ سالے کیا پتھر کے جانور ہیں کیا؟''شوکت نے حیرت سے پوچھا۔

''خدا جانے کس قسم کا پتھر ہے یہ۔''خان نے کہا۔

''اپن کہیں جناتوں مناتوں کے ملک میں تو نہیں آ گئے ہیں؟''شوکت نے اپنی

عقلمندی کا ثبوت دیا۔ اس وقت خان نے دیکھا دونوں اچھل کر ایک دوسرے سے دور جا گرے۔ خان نے جیب سے ایک لائٹر نکالا اور اسے ہاتھ سے اس طرح سٹک کر اوپر اڑا جیسے کسی بندوق سے گولی۔ وہ چھت سے ٹکرا کر نیچے گرا اور پھر اوپر اچھلا۔ یہ عمل چند سیکنڈ تک مسلسل جاری رہا۔ کوئی دو منٹ بعد وہ سرد ہو کر پھر زمین پر پڑا رہ گیا۔ خان نے اس پتھر کے کچھ ٹکڑے اپنے پاس محفوظ رکھ لیے۔

''ہمیں یہاں کچھ آگ پیدا کرنی پڑے گی۔'' وہ بولا۔

''اتنی سردی کہاں ہے؟'' شوکت نے پوچھا۔

''میں ان پتھروں سے تم لوگوں کیلیے راکٹ بنا کر تمہیں ان پہاڑوں کے اوپر پہنچا دوں گا۔'' خان نے کہا۔ وہ اسے مذاق سمجھے۔ اس وقت وہ لڑکی ہوش میں آ گئی اور سر کو سہلانے لگی۔ پھر انھیں دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

خان نے ایک تقریباً ڈیڑھ فٹ چوڑی ایک فٹ لمبی چٹان کو تراش کر گاؤدم سی شکل بنائی اور پھر اسے غار کے باہر نکلوایا۔ اب سوال تھا کہ آگ پیدا کرنے کا۔ باہر جو اس نے لائٹر جلایا، وہ جلتے ہی بجھ گیا۔ شاید یہاں کی ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی کمی تھی۔ یہ کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ ''اگر یہ پتھر گرم کرنے سے اڑ سکتے ہیں تو پھر یہ پہاڑ سورج کی گرمی سے کیوں نہیں اڑ گئے؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''میں ابھی تک انھیں پتھر تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ اور یہ اس پہاڑی سے علیحدہ کوئی چیز معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دیکھو، غار کے اندر جو پتھریلا کٹاؤ ہے، اس سے مختلف اور سخت ہیں۔'' خان بولا۔

''تو پھر یہ جادو ماد و ہے کیا؟'' شوکت نے پوچھا۔

''خدا جانے اس انجانی دنیا میں کیا کیا اسرار بھرے ہیں۔'' بالے بولا۔

''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ پتھر جاندار ہیں۔''

Akram Allahabadi

''اگر ایسا ہے تو ہم انھیں کھا لینگے، یا یہ ہمیں کھا ئیں گے؟'' بالے نے پوچھا۔

''چلو اندر بڑھنے کی کوشش کریں، ممکن ہے کوئی راستہ نکلے۔'' خان اٹھا۔

''جب آغاز کا یہ عالم ہے تو آگے تو اور بلائیں ہو سکتی ہیں۔''

''کچھ تو کرنا ہی پڑے گا، یا یہیں پڑے پڑے مرنا اچھا ہے۔''

''تو بسم اللہ۔'' بالے بھی تیار ہو گیا۔

''آپ کا کیا حال ہے، محترمہ، چل سکیں گی آپ؟'' بالے نے لڑکی سے پوچھا۔

''میں اتنی نازک بھی نہیں، جس قدر سمجھ رہے ہیں آپ۔ اور پھر چوٹ بھی معمولی ہے۔'' وہ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ شوکت بھی حالات سے تنگ آ کر اب قہرِ درویش بر جانِ درویش کے بمصداق سب کچھ بھگتنے کو تیار ہو گیا تھا، کیونکہ نہ بھگتنے بنا چارہ ہی کیا تھا۔ خان نے اپنی جیبی ٹارچ نکال لی اور آگے روشنی ڈالنے لگا۔ اسے یہاں کے پتھروں میں اور غار کے کٹاؤ میں چمک ہی نظر آئی۔ شاید ان پتھروں میں کوئی چمکیلی دھات شامل تھی۔ راستہ اندر تنگ و تاریک ہوتا گیا تھا، یہاں تک کہ بمشکل دو آدمیوں کے گزرنے کی جگہ رہ گئی تھی۔ دوسری سمت سے کچھ اجالا سا معلوم ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ ایک موہوم سی امید کے سہارے بڑھنے لگے۔ رہ گزر پھر کشادہ ہونے لگی۔ اور ایک عجیب سی مسمسی ہوئی ہوا کا جھونکا آیا، پھر آگے چل کر ہوا کچھ صاف ہونے لگی، لیکن پھیپھڑوں پر بوجھ ڈالتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس ہوا میں بہت باریک ذرات تیرتے تھے۔ اب وہ ایک کھوکھلے پہاڑ کی تہ میں پہنچ گئے۔ یہ اندر سے ایک بہت بڑے ہال جیسی جگہ تھی جس پر پہاڑ کا کٹاؤ جھکا ہوا تھا۔ اس کٹاؤ میں پتھر لمبی لمبی سوئیوں کی طرح لٹکے ہوئے تھے۔ انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ جلترنگ بجا رہا ہو۔ وہ چونک پڑے۔

''یہاں ضرور کہیں کوئی پانی کا چشمہ موجود ہے، جس میں اوپر سے پانی ٹپک رہا ہے۔'' خان نے کہا۔

''آواز تو کچھ ایسی ہی ہے۔'' بالے نے تائید کی۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں درمیان میں پانی کا ایک بہت بڑا گھڑا الٹے توے کی شکل میں موجود تھی۔ اور اس کے اوپر جو نوکدار چٹانیں پہاڑ کی چھت کی طرف سے جھکی ہوئی تھیں، ان کی آنکوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ خان نے اوپر نظر کی تو اسے ویسے ہی نوکیلے پتھروں کا ایک پتلا سا قدرتی پل نظر آیا جو چھت میں ایک طرف سے دوسری طرف گیا ہوا تھا۔ یہ مقام بہت ٹھنڈا مگر بڑا ویران اور بھیانک تھا۔ ایسا جیسے روحوں کا مسکن۔ خان چشمے کے قریب پہنچ کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''آخر یہ پانی اوپر سے کہاں سے آرہا ہے؟''

''ضرور اس پہاڑ کے اوپر کوئی دریا بہتا ہے۔''

''ہمیں تو دورانِ سفر کہیں ان کی دنیا میں کوئی دریا وغیرہ نہیں ملا۔ نہ کہیں پانی ہم نے دیکھا۔'' خان نے اس پانی کو چلو میں لے کر غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پانی بالکل شفاف اور ٹھنڈا تھا۔ بالے کو پیاس بھی شدت سے لگی تھی۔ وہ پانی پر جھکا ہی تھا کہ خان نے اس کا بازو تھام لیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے بھی ٹھٹک گئے۔

''ایک اجنبی دنیا کا پانی ہے، خدا جانے اس میں کیسے محلول ہوں۔'' وہ بولا۔

''لیکن حلق میں تو کانٹے پڑ رہے ہیں۔'' بالے نے فریاد کی۔

''لو، یہ گولی چوس لو۔'' خان نے جیب سے ایک سرخ رنگ کی گولی نکال کر بالے کو دی۔ شوکت نے بھی ایک مانگ لی۔ اس کے چوسنے سے حلق میں تری پیدا ہوگئی اور پیاس کی خواہش دب گئی۔

''اگر ہم اس پہاڑی میں کوئی بڑا دھماکہ کریں تو یہ چھت یقیناً نیچے آرہے گی۔'' بالے نے رائے دی۔ خان بھی سوچ میں غرق تھا۔

''ایک صورت ہوسکتی ہے۔ میرے پاس چھوٹے گرینیڈ (Grenade) ہیں۔ انھیں چھت کی طرف کھینچ کر مارا جائے، مگر یہ سوال ہے کہ اوپر سے چھت یا پتھر گرے تو ہم کہاں

جائینگے۔''خان نے کہا۔

''ہم ادھر کونوں میں دبک جائیں گے۔''

''اور اگر ساری پہاڑی اندر بیٹھ گئی؟''

بات کرتے کرتے بالے کو سگریٹ کی سوجھی۔اس نے اندرونی جیب سے ایک چپٹا سا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگا کر ماچس کی سلائی پانی کی طرف پھینک دی۔ایک جھما کا ہوا اور بھک کے ساتھ پانی میں اس طرح آگ لگ گئی جیسے پٹرول پر جلتی سلائی پھینک دی گئی ہو۔ حالانکہ اس پانی میں پیٹرول جیسی بو نہیں تھی۔آگ کے شعلے بلند ہو کر چھت سے ٹکرانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے چھت کے ان حصوں میں آگ لگ گئی جن سے وہ پانی ٹپک رہا تھا۔

خان کو یہ فرق عجیب معلوم ہوا۔باہر وادی میں کھلی جگہ آکسیجن کم پائی جارہی تھی جبکہ یہاں اندر وہ کافی مقدار میں موجود تھی۔اب وہ آسانی سے سانسیں لے سکتے تھے۔اس آگ کے شعلوں سے انھیں ایک عجیب سی بو محسوس ہوئی، ایسی جیسے کہیں انسانوں کے زندہ جسم جل رہے ہوں۔جیسے گوشت جل رہا ہو۔بالے کو ابکائیاں آنے لگیں۔خان نے یہ دیکھ کر اسے جیب سے ایک سرخ گولی نکال کر دی جو اس نے پانی بغیر چوس کر حلق سے اتار لی۔یہ آگ دہکتی چلی گئی۔پھر کچھ دھماکوں کی آواز انھیں سنائی دی اور جو انھوں نے نظریں بلند کر کے دیکھا تو اس پہاڑی کی چھت اڑ گئی تھی۔اس کا درمیانی حصہ ایک دھماکے سے منتشر ہوا تھا اور بہت سی بڑی بڑی چٹانیں اندر کی طرف گری تھیں۔وہ اگر آڑ میں نہ ہوتے تو ان کا حشر بھی برا ہوتا، مگر چٹانوں کے اندر گرنے سے ایک فائدہ ضرور ہوا کہ پہاڑی کے اسی اندرونی خلاء میں ایک اونچا ٹیلا بن گیا جس پر چل کر وہ اوپر تک پہنچ سکتے تھے۔لیکن آگ ابھی تک سرد نہیں ہوئی تھی اور حیرتناک بات یہ بھی کہ اندر اس کے آس پاس کے پتھر بھی جل رہے تھے، جس کی تپش سے یہاں اس گوشہ عافیت میں ٹھہرنا بھی مشکل ہوا جارہا تھا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سرد و گرم آگ

''کیوں نہ ہم باہر جا کر اس قدر انتظار کریں کہ یہ آگ سرد ہو جائے۔'' بالے نے مشورہ دیا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ اس آگ میں تپش ضرور ہے، لیکن جھلسا نہیں رہی ہے۔ یہ یا تو کسی قسم کی گیس ہے یا کوئی ایسا روغن جل رہا ہے جو صدہا سالوں سے اس پہاڑی کہ تہ میں موجود تھا جو اس کے پتھروں میں بھی سرایت کر گیا تھا۔''

''آپ فلسفے بگھارتے رہیں گے اور کہیں یہ آگ یہاں تک پھیل گئی تو پھر اس پہاڑی کے ساتھ ہم بھی اڑ جائیں گے۔'' بالے جھنجلا کر بولا۔

''یہ آگ ان لوگوں کو ہماری طرف ضرور متوجہ کرے گی۔ شاید اسی طرح کوئی کام بن جائے۔ وادی میں جا کر تو ہم پھر کہر میں چھپ جائیں گے۔'' خان نے کہا۔

''آپ یہیں ہمارا اچار مچار ڈلوائیں گے۔'' شوکت بھی بولے بغیر نہ رہا۔

''اچھا تو چلو۔'' خان کھڑا ہو کر آگے بڑھنے لگا۔

''کہاں؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔ کیونکہ خان اور اندر کی طرف جا رہا تھا۔

''ہمیں اس دہکتی ہوئی آگ پر ایک زندہ پتھر کی چٹان رکھنی ہوگا، جو گرم ہو کر ہمیں اوپر کی طرف اڑا لے جائے گی۔''

بالے بول پڑا۔ ''لیکن اس کے بعد؟''

''اس کے بعد اللہ مالک ہے۔''

''جب زمین پر گرے گی اس وقت ہمارا کیا حشر ہوگا؟''

''یہ تو ہم دیکھ یہ چکے ہیں کہ اسے سرد ہونے میں وقت لگتا ہے۔ چٹان بڑی ہے،

Akram Allahabadi

اس لیے دھیرے دھیرے ہی سرد ہوگی اور جیسے جیسے سرد ہوگی ویسے ویسے نیچے آئے گی۔ میں سمجھتا ہوں یہی ایک ذریعہ ہمارے لیے یہاں سے نکلنے کا ہو سکتا ہے۔"

"ہم پہاڑ پر بھی تو چڑھنے کی کوشش کر سکتے تھے؟" بالے نے سوال کیا۔

"وہ تو تم نے باہر سے دیکھا ہی ہے، اگر چڑھنا آسان ہوتا تو ہم یہاں نہ ٹھہرے رہتے، تب ہی کوشش کر ڈالی ہوتی۔"

"اوکے، باس۔"

چنانچہ وہ اس غار میں پہنچے، جہاں انھیں اچھلنے والے پتھر نظر آئے تھے۔ اسی رنگ و ساخت کا ایک بڑا سا پتھر انھوں نے چن لیا، جسے چاروں نے مل کر بدقت اٹھایا۔ اس میں وزن بہت نہیں تھا، مگر اتنا کم بھی نہیں تھا کہ وہ آسانی سے اٹھا لے جاتے۔ اور یقیناً اس قسم کے پتھر نہ تھے، ورنہ سارے پہاڑ پھٹ چکا ہوتا۔ اندر کے پتھروں کا رنگ گہرا کتھئی تھا۔

پہاڑی کی کھلی چھت کے ٹھیک نیچے انھوں نے شعلوں کے درمیان چلتے ہوئے اسے ایک اونچائی پر لے جا کر رکھ دیا۔ خان کا خیال صحیح تھا۔ یہ چھلسا دینے والی آگ نہ تھی۔ کیونکہ ان کے بوٹوں کے تلوے تو ضرور گرم ہوئے تھے، جلے نہیں۔ خان نے کچھ پتھروں کو چھو کر دیکھا بھی۔ وہ گرم ہو رہے تھے، مگر اتنے نہیں کہ چھونے سے ہاتھوں میں آبلے پڑ جائیں۔ وہ سیال جو انھیں درمیان میں نظر آیا اور جسے بالے پانی سمجھا تھا، وہ کافی جل چکا تھا۔ اس کے شعلے جو پہلے چھت تک پہنچے تھے اب بیٹھ چکے تھے۔ مگر آگ اس کے پھیلاؤ اور آس پاس کے پتھروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے شعلے بنفشی اور نیلے تھے۔ اوپر سے جو چٹانیں گری تھیں، وہ خشک تھیں۔ البتہ ان کے درمیان سے ہو کر نیچے کی آگ کے شعلے کہیں کہیں نکل رہے تھے۔ وہ چاروں اس چٹان پر بیٹھ گئے جسے نیچے سے دو پتھروں کے درمیان سے لپکنے والے شعلوں کی گرمی پہنچ رہی تھی۔ یہ ایک بالکل اندھا اقدام تھا۔ لیکن اس وادی میں مڑ کر مرنے سے بہتر تھا کچھ کر کے مرنے کا غم انھیں نہ ہوتا۔ کیونکہ اب تو وہ آفات کی دنیا میں پھنس ہی چکے تھے۔

Akram Allahabadi

پتھر گرم ہو چلا، انھوں نے چاروں طرف سے پتھر کے سروں کو مضبوطی سے تھام لیا اور درمیان میں ٹانگیں ایک دوسرے سے اس طرح الجھا لیں کہ اگر کوئی بھی ان میں سے چھوٹ کر نہ گرے۔ وہ بڑی بے چینی سے اس عجیب سی تجویز کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ پتھر گرم ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک وہ پتھر لرزنے لگا اور پھر کسی ہوائی کی طرح ایک جھٹکے سے وہ اڑا اور سنسناتا ہوا پہاڑی کے کھلے سرے سے باہر نکل گیا۔ وہ چاروں اس پتھر سے چمٹے ہوئے تھے۔

''شوکت بھائی، اپن الف لیلیٰ کی شطرنجی پر اڑ رہے ہیں۔'' بالے نے پتھر سے چمٹے ہوئے بولا۔ مگر شوکت کا تو کلیجہ کانپ رہا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''نہ جانے کتنی دور تک وہ اڑتے چلے گئے۔ آسمان میں انھیں دھند لے پن کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، مگر وہ دھند ویسی نہ تھی جیسی انھوں نے بگولوں کی وادی میں دیکھی تھی۔ پھر انھیں بہت دور نشیب کی طرف کچھ پہاڑیوں، یا شاید کسی آبادی کے آثار سے نظر آئے، جو کہر کے غلاف میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ کہر خشک بھی تھی اور نرم بھی۔ جیسے زمین پر استوائی حصے سے دوسرے ملک میں نظر آتی ہے۔ انھیں وہ پتھر کی سِل نیچے کی طرف تیرتی نظر آئی۔ کلیجہ منہ کو آنے لگے۔

اس کی حرارت جیسے جیسے کم ہوتی جا رہی تھی، وہ نیچے آ رہی تھ۔ پھر وہ تیزی سے نیچے کی طرف چلی۔ انھیں نیچے آبادی کے آثار نظر آئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے زمین پر موٹے موٹے تنوں والے کانٹے ابھرے ہوں۔

''علیحدہ علیحدہ قلابازی کھا کر کودنے کی کوشش کرو۔'' خان نے جلدی سے کہا۔

''مگر میں؟'' شوکت کی آواز حلق میں پھنسی ہوئی نکلی۔ مگر اس کے کچھ اور بولنے سے قبل ہی خان سیدھا ہوا اور اس نے شوکت کے پیر پکڑ کر اسے الٹ دیا۔ شوکت کی چیخ سنائی دی، مگر دوسرے ہی لمحے خود خان بھی قلابازی کھا کر پتھر سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ لڑکی بالے سے

بھی تیز نکلی۔اس نے بیرا اچھالے اور کسی جمناز م کے ماہر کی طرح بیر سیدھے کر کے نیچے کی طرف چلی گئی۔بالے نے دونوں بیر سر کی طرف اچھال کر ہاتھ چھوڑ دیے اور نیچے کی طرف چلا۔

وہ چٹان نیچے گر کر پاش پاش ہو گئی۔

چوٹ کسی کو بھی نہیں آئی۔مگر شوکت نیچے گر کے بیہوش ہو گیا تھا۔اس کے سر میں دھک لگی تھی۔بالے، خان اور وہ لڑکی تینوں اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔وہ کسی سخت زمین پر نہیں گرے تھے۔یہ زمین ربر جیسی نرم اور ریشمین تھی۔انھوں نے جو چاروں طرف گھوم کر دیکھا تو انھیں کچھ فاصلے پر وہی لمبی گردن والی مخلوق کھڑی نظر آئی۔وہ حیران نظروں سے آسمان سے ٹپکنے والی ان بلاؤں کو دیکھ رہے تھے۔وہ چٹان بکھری پڑی تھی۔اگر وہ چپٹی نہ ہوتی تو شاید نہ ٹوٹتی۔رفتہ رفتہ ان لوگوں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا اور وہ خان کی طرف اشارہ کر کے آپس میں اپنی زبان میں کچھ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔خان اور بالے دونوں شوکت کی طرف آئے۔بالے نے اسے تھپتھپایا۔پہلے تو ٹس سے مس نہ ہوا، مگر جب دو چار بار اسے جھنجوڑا تو اس نے کروٹ لے کر بڑبڑانا شروع کیا۔

''شموا سے پوچھو، اسی نے لکیں رکھی ہوگی۔میں کوئی گھر کی اماں جان ہوں۔''

''شوکت بھائی، آنکھیں کھولو۔دیکھو موت کے فرشتے سر پر کھڑے ہیں۔''بالے نے جھنجوڑا۔

''ایں۔''شوکت نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔''اے لو، تو میں زندہ ہو۔یا ابھی۔''وہ اٹھ کر ٹہلتے ہوئے بولا، پھر سر سہلانے لگا۔

''کیا ہو گیا، میاں خان، اپن یاں کاں سے پونچ گئے پھران سالوں میں؟''

''تقدیر کا چکر ہے۔''

''کاش موسیو سلازار کو ہماری خبر ہو جاتی۔''لڑکی دونوں ہاتھ مل کر افسوسناک لہجے

میں بولی۔وہ چاروں اکٹھا ہوئے ہی تھے کہ ایک عجیب سی آواز نے انھیں اور خود اس مقام کی مخلوق کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔آسمان میں پرواز کرتی ہوئی ویسے ہی ایک کارتوس نما گاڑی تیزی سے چلی آرہی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس مجمع کے پیچھے اتر گئی۔پھر مجمع کو چیرتے ہوئے تقریباً ایک درجن محافظ آگے بڑھے۔

''کاش میرے پاس ریوالور ہوتا۔'' خان دانت پیس کر بولا۔''کمبختوں نے ہمارے ہتھیار نہ جانے کہاں چھپائے ہوں گے۔''

''اگر ان محافظوں کی چھینی ہوئی گن بھی ہمارے پاس ہوتی تو مقابلہ تو کچھ ضرور ہوتا۔'' بالے نے بھی بے بسی کا اظہار کیا۔مگر پھر اسے کچھ خیال آگیا۔

''آپ کے پاس بال گرینیڈ بھی تو ہیں؟''اس نے خان سے پوچھا۔

''یہ ان کی دنیا ہے۔ہم اگر اقدام کر بھی بیٹھیں گے تو اس کا انجام بھی سوچنا چاہیے۔''لڑکی نے دخل دیا۔

''تمہارا خیال بھی ٹھیک ہے۔میں اسی لیے ہچکچا رہا ہوں۔''خان نے سر ہلایا۔محافظ قریب آگئے۔انھوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس گاڑی کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پنجۂ برق

کچھ عرصے بعد ہی وہ پھر ویسے ہی ایک سوئی نما عمارت کے چیمبر میں موجود تھے۔ یہ چیمبر بھی مثلث تھا۔ ایک اونچے پلیٹ فارم پر جو زرد چمکیلے چکنے پتھر کا تھا، ایک تکون کرسی پر جو ویسی ہی کسی چمکدار دھات کی بنی تھی، ایک لمبی گردن کی مخلوق بیٹھی تھی۔ اس کی لمبی گردن پر ایک بالوں دار غلاف چڑھا تھا اور سر پر چمکدار پنی چڑھی تھی، جس کے درمیان میں ایک زمرد جیسا چوکور ٹکڑا چمک رہا تھا۔ پلیٹ فارم کے نیچے دو قطاروں میں اسی مخلوق کے افراد آمنے سامنے گردنیں اونچی کیے اور اراس مرکزی شخصیت کی طرف گھمائے کھڑے تھے۔ ایوان میں کہیں ستون کا نام نہ تھا۔ چھت اونچی اور درمیان میں نوکدار تھی۔

جب ان چاروں کو اس تخت یا پلیٹ فارم کے سامنے کھڑا کیا گیا تو اونچی کرسی پر بیٹھے ہوئے اس آدمی کی آنکھیں غصے سے ابل پڑیں۔ وہ اپنی زبان میں کچھ گرج کر بولا، جس کے جواب میں دوسروں نے اپنے سر اثبات میں ہلانے شروع کیے۔ آج ان قیدیوں سے کوئی گفتگو نہیں کی گئی، شاید ان کی قسمت کا فیصلہ چند لمحوں ہی میں ہو گیا۔ کیونکہ انھیں دوبارہ اسی کیپسول گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ وہ ایک قید خانہ تھا، جس میں سوائے فرش اور دیواروں کے کوئی شے موجود نہ تھی۔ البتہ چاروں طرف فرش سے ملے روشندان تھے، جن سے روشنی آ رہی تھی۔ ان روشن دانوں میں تانت جیسی کسی چیز کی جالیاں لگی تھیں۔ ''اب کیا خیال ہے آپ کا، ہم لوگ کتنے گھنٹوں کے مہمان ہیں؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''قدرت کو ہماری زندگی منظور نہ ہوتی تو ہم بگولوں کی وادی میں ہی بھٹک بھٹک کر مر چکے تھے۔ میں نے وہیں اندازہ کر لیا تھا کہ ہمارے پھیپھڑے زیادہ دیر اس دبیز ہوا کی سانسیں برداشت نہ کر سکیں گی، لیکن خدا نے ہمیں اس جگہ سے صحیح سلامت نکال دیا۔''

Akram Allahabadi

''وہی پھر ہماری مدد کرے گا۔'' خان نے انھیں ہمت دلائی۔

''اللہ قسم، آپ بھی کسی مولوی صاحب سے کچھ کم نہیں ہیں۔'' شوکت نے گویا خان کی تعریف کی۔ بالے زور سے سر ہلانے لگا۔

''وری تو شک، وری تو شک۔'' اس نے گویا شوکت کی تائید کی۔

''یانی کیا؟'' شوکت نے مطلب نہ سمجھ کر پوچھا۔

''یعنی اس میں کیا شک ہے۔''

''تیل لینے گیا شک مک، اپن تو بیٹھے بٹھائے سالی اس مصیبت میں پھنس گئے۔ کائے کے سلازار خان، کائے کے ملازار خان۔ کوئی سالا خیریت پوچھنے کو بھی نہیں آیا۔'' شوکت بڑبڑایا۔

اتنے میں بہت سے خوفناک چہرے لمبے لمبے دانت نکال کر انھیں روشن دانوں سے جھانکنے لگے۔ وہ دیکھ کر ہٹتے تو دوسرے آجاتے۔

''اے سالو چڑیا کے، کیا کوئی رانی باغ کے بندر سمجھا ہے۔'' شوکت چیخا۔

''تقریباً یہی سمجھ رہے ہیں وہ لوگ۔'' بالے بولا۔

''تم ہو گے بندر مندر، اپن تو شریف الخلوقات ہیں۔ یانی نبی آدم۔'' شوکت نے اسے جھاڑا۔

''بنی آدم۔'' بالے نے اسی عالم میں بھی تصحیح فرمادی۔

''اے لو، میاں خان، بنی سالی دلہن کو کہتے ہیں۔'' شوکت نے بتایا۔

''اور نبی پیغیر کو کہتے ہیں۔ کیا تم پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہو؟'' بالے بحث کرنے لگا۔

''اور آدم حضرت حوا پیغمبر نہیں تھے تو کیا تمہارے باپ تھے؟'' شوکت جھنجلا گیا۔

''بے شک۔''

''کیا بے شک؟''

''وہ ہم سب کے باپ تھے، یعنی حضرت انسان کے باپ۔''

''کیا فضول بحث لے بیٹھے تم لوگ۔'' خان نے انھیں ڈانٹا۔

''ہمیں یہاں سے رہائی کی کوئی تدبیر کرنا چاہیے۔ اس بار ان کے ارادے زیادہ خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''کھڑکی توڑ کے کائے کو ئیں بھاگ چلیں؟'' شوکت نے پوچھا۔

''اور کھڑکی کے باہر کیا نظر آ رہا ہے تمھیں؟'' بالے نے پوچھا۔

''اے لو، تو یانی اپن چوہے ہیں کہ کچھ نہیں کر سکتے؟''

''سرِ دست تو یہی سمجھ لو اور اس بڑے پن سے توبہ کرو، کیونکہ اب زندگی اور موت میں فاصلہ بہت کم ہے۔'' بالے نے سمجھایا۔

اس جملے نے شوکت پر خاطر خواہ اثر کیا۔ بالے نے کیونکہ سنجیدگی سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔ اس لیے وہ سوچ میں پڑ گیا، ممکن ہے اب کی بار بچ نکلنے کا کوئی امکان ہی نہ ہو۔

وہ زبان کھولے بغیر دل ہی دل میں خدا کو یاد کرنے لگا۔ اور ایسے وقت تو سب ہی کو خدا یاد آتا ہے، جب کوئی تدبیر کام دیتی نظر نہ آئے۔ تقریباً گھنٹوں کے بعد جوان کے اندازسے اتنا ہی عرصہ تھا، اچانک ایک طرف کی دیوار میں خلاء پیدا ہوا اور محافظ جو ویسی گول چیمبر والی گنوں سے مسلح تھے، اندر آ پہنچے۔ انھوں نے اشارے سے انھیں باہر چلنے کیلیے کہا۔ تعمیلِ حکم کے سوا اس وقت چارہ ہی کیا تھا۔ وہ ان کے ہمراہ اس کمرے سے نکل آئے۔

باہر وہی کار موجود تھی، جس میں انھیں دوبارہ سوار ہونا پڑا اور کچھ دیر کے بند سفر کے بعد انھیں اس گاڑی سے اتارا گیا۔ ان میں ہزاروں لاکھوں افراد اس مخلوق کے جمع تھے، جو انھیں دیکھ کر شور مچانے لگے۔ تقریباً ایک میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدان کے درمیان ایک پلیٹ فارم بنا تھا، جس پر ایک بڑا سا گول طباق رکھا ہوا تھا۔ خان نے دیکھا اس کے نچلے حصے

میں چار پَر لگے تھے، موٹائی میں وہ تقریباً تین فٹ ہوگا۔ البتہ نیچے ایک حصہ تھا، جس کا پھیلاؤ زیادہ نہ تھا۔ پَر اس کے اوپری اور زیریں حصے کے درمیان لگے تھے۔ اس طباق نما شے کا قطر تقریباً دس فٹ رہا ہوگا۔ اس کا ڈھکنا ایک بٹن کے دباتے ہی آپ سے آپ کھل گیا اور ان چاروں کو اندر دھکیلا گیا۔ اس وقت خان نے غصے میں آ کر ایک لمبی گردن والے کے زور سے لات ماری، مگر وہ یہ دیکھ کر بے بس رہ گیا کہ لات کا کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ اس طباق نما شے کا ڈھکنا اوپر سے بند کر دیا گیا۔ یہ لمبی گردن والے، گردن چھوڑ کر اتنے طاقتور تھے کہ انھیں ہلانا تک مشکل تھا۔ ان کی کوئی کوشش کارآمد نہ ہوئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ طباق نما شے اپنی جگہ گردش کرتی ہوئی سیدھی آسمان کی طرف پرواز کرتی ہوئی چلی گئی۔ یہاں تک بلندی پر وہ ایک چھوٹی سی رکابی نظر آنے لگی۔ سب کے سر اونچے تھے اور اسی کو دیکھ رہے تھے۔ شاید انھیں اس تماشے کا آخری انتظار تھا کہ اچانک ایک دھماکا ہوا اور اس طشتری نما شے کے فضا میں ٹکڑے ہو گئے۔ اس میں سے پتلوں کی طرح وہ چاروں چار سمت بکھر کر نیچے گرتے ہوئے نظر آئے۔ یہ انتہائی ہیبتناک سزا تھی۔ اتنی بلندی سے جہاں وہ ننھے ننھے پتلوں کی طرح نظر آ رہے تھے، زمین پر گرنے کے بعد شاید ان کی ہڈیاں بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ لمبی گردنوں والے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور زور زور سے چیخنے لگے۔ ان چیخوں میں ان کے بھدے قہقہے بھی شامل تھے۔ ان کے دانت باہر جھانکتے نظر آ رہے تھے۔ وہ کرۂ ارض کے آنے والے ان چار انسانوں کی بھیانک موت کا تماشہ بڑی دلچسپی اور خوشی سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک آسمان کی بلندی پر ایک روشن تارا جیسی ایک پری نمودار ہوئی۔ زور کا کڑاکا ہوا اور برقِ لامہ کی طرح نیلی تیز لہر کا ایک پنجہ خلاء سے نمودار ہو کر چشمِ زدن میں خان کی طرف جھپٹا۔ اس کی روشن شاخوں نے کسی رسی کی طرح اسے لپیٹا اور بجلی کی طرح آسمان میں غائب ہو گیا۔ لمبی گردنوں والے چلا اٹھے۔ پھر اس وقت ایک بار شفاف آسمان میں پھر بجلی کوندی اور پنجہ لہرا کر بالے پر گرا، وہ اسے لپیٹتا ہوا آسمان میں غائب ہو گیا۔ بالکل اسی طرح شوکت اس

اس لڑکی کو بھی ان نامعلوم نیلگوں شعاعی پنجوں نے آسمان سے گرتے گرتے فضا میں سنبھال کر لامحدود آفاقی بلندیوں میں غائب ہو گئے۔ لمبی گردنوں والوں کے دانت چھپ گئے اور سناٹا چھا گیا۔ کہاں تو وہ ان چاروں اجنبیوں کی موت کا تماشہ دیکھنے جمع ہوئے تھے اور کہاں یہ عجیب بات ہو گئی۔ ابھی ان اجنبیوں کو ہی دیکھنے والے کسی نتیجے پر پہنچنے نہ پائے تھے کہ پھر ایک کڑاکا ہوا اور آسمان میں سرخی سی پھیل گئی۔ بادلوں کے ٹکراؤ سے چمک کر گرنے والی بجلی کی طرح اس سرخی سے کڑک کڑک کر سرخ دہکتی ہوئی بجلیاں نکلیں اور اس میدان پر گرنے لگیں۔ ایک کہرام مچ گیا ایک قربان کی طرح لہرا کر یہ سرخ بجلی جہاں گرتی، ایسٹرائڈ کی مخلوق کو اس طرح بھون دیتی کہ ان کے سیاہ خاکستر پتلے زمین پر پڑے رہ جاتے۔ ایک بھگدڑ مچ گئی۔ اپنی ستونوں جیسی ٹانگوں سے وہ زیادہ تیز تو نہ بھاگ سکے، مگر ان کا شور ایک آتش فشاں کے پھٹنے جیسی آواز پیدا کر رہا تھا۔ پھر اسی وقت وہ سرخ دہکتی ہوئی بجلیاں ان سوئی جیسی عمارتوں پر گرنا شروع ہو گئیں۔ یہ بجلیاں دور دور تک برستی نظر آ رہی تھیں۔ اور مسلسل کڑاکے ہو رہے تھے۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک یہی کیفیت رہی، لیکن اس مختصر سی مدت میں ایک قیامت کا عالم بپا ہو گیا۔ اتنے سے عرصے میں سیکڑوں بجلیاں برس گئیں، کتنی ہی سوئی جیسی عمارتیں اور ان گنت جاندار تباہ ہو گئے۔ پھر آپ سے آپ آسمان پر سناٹا چھا گیا۔ وہ سرخ دھبے غائب ہو گئے اور فضا اس طرح پرسکون ہو گئی جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ دور، بہت دور، اور بیکراں خلاؤں میں ایک بڑا سا خیرہ کن نیلگوں روشنی کا گولا بڑی تیزی سے تیرتا جا رہا تھا۔ اس کی منزل ایک سبز سفید دہکتا ہوا سیارہ تھی، جو خلاء میں ایک بہت بڑی گیند کی طرح معلق نظر آ رہا تھا۔ یہ مریخ تھا۔ کرۂ ارض سے بہت بڑی عظمت و اسرار سے بھری ہوئی ایک اجنبی سرزمین جس کے متعلق کرۂ ارض کے سائنسدان، ماہرینِ فلکیات اور فلاسفر عجیب عجیب پیش گوئیاں کرتے آئے تھے، لیکن جو کرۂ ارض سے ایک ننھے سے دہکتے ستارے کی طرح نظر آتی تھی۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مریخ کی سرزمین

آنکھ کھلی تو خان، بالے اور شوکت حیران رہ گئے۔

ڈھلتے چاند کی چاندنی جیسی ٹھنڈی فرحت بخش روشنی میں ڈوبا ہوا ایک اوندھے کٹورے جیسی بلند چھت والا ٹھنڈا ہال تھا، جس کا فرش آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ اتنی بڑی چھت جس میں کوئی ستون نہ تھا اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ چھت کی گولائی ہی نیچے آکر دیوار بن گئی تھی۔ اس میں وہ تینوں علیحدہ علیحدہ بستروں پر پڑے تھے۔

یہ بستر پلنگوں پر نہیں بلکہ فرش سے تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچے ایسے نرم گدوں پر لگے تھے کہ وزن ڈالنے سے وہ نصف موٹائی تک اندر دب جاتے تھے۔ ان کی جب آنکھ کھلی تو انھیں سامنے کی طرف اپنی ساتھی لڑکی اور اس کے ساتھ دو آدمی نظر آئے جو قامت میں ان سے ڈیوڑھے ضرور ہونگے۔ تندرست اور اجلے جسم اوسطاً قد میں ۹ فٹ تک رہے ہونگے۔ ان کے چہروں پر ناک لمبی اور آنکھیں گول تھیں۔ ان کے سینو پر بیلٹ کسے ہوئے تھے۔ جن کے درمیان میں کسی گول میڈل جیسی ایک چمکیلی دھات لگی تھی اور اس کے وسط میں ایک چھوٹا سا سرخ روشن دائرہ۔ اس بیلٹ کے نیچے پیٹ اور رانوں تک وہ کوئی ربڑ جیسا چست لباس پہنے تھے۔ ان کے پیروں میں جوتے بھی ویسے ہی تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے موزے پہن رکھے ہوں۔ البتہ پیروں کے پنجے اس طرح پھیلے ہوئے تھے جیسے بطخوں کی ہوتی ہیں۔ وہ جب قریب آئے تو ان کے ہاتھو پر بھی خان کی نظر پڑی۔ ہاتھوں میں انگلیاں چار چار تھیں اور ان انگلیوں کے درمیان جھلی دار کھال تھی۔ ان کے سر انڈے کے چھلکے کی طرح گول اور چمکدار سپاٹ نظر آرہے تھے۔ قریب آکر وہ رک گئے اور انھوں نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سلام کیا۔ لڑکی خان کے قریب کھڑی ہوگئی۔

Akram Allahabadi

''نیند پوری ہوگئی ہوگی آپ لوگوں کی؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''تو ہم سو رہے تھے؟ کب سے؟'' خان نے پوچھا۔

''سورج ڈوبا، ڈوب کر نکل چکا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''یعنی ہم دو دن تک سوتے رہے یہاں؟''

''جی ہاں۔ اس کے باوجود کہ معزز مارکوئس آپ سے فوراً ملاقات کرنا چاہتے تھے، مجھ سے تمام حالات سن کر انھوں نے یہی بہتر سمجھا کہ آپ کو اچھی طرح آرام کر لینے دیا جائے۔''

''تو گویا ہم مریخ پر پہنچ گئے ہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''یقیناً۔ معزز مارکوئس نے بلا آخر پتا چلا لیا تھا کہ ہم بھٹک کر اس آئرلینڈ پر پہنچ گئے ہیں۔ ہماری نجات کیلیے وہ شعاعی پنجے انھوں نے ہی بھیجے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے آنے کے بعد ان لوگوں کو ایسی سزا دی گئی ہے کہ اب وہ کبھی اجنبیوں کے ساتھ ایسی بدسلوکی نہ کریں گے۔'' لڑکی نے بتایا۔

''معزز مارکوئس کون مہربان ہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''موسیو سلازار کے پرسنل سکریٹری۔''

''ان کا تعلق کس دنیا سے ہے؟''

''وہ کرۂ ارض ہی سے موسیو سلازار کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے معتمد خاص ہیں اور بلند پائے کے سائنسدان ہیں۔'' لڑکی نے بتایا۔

''اور یہ لوگ؟'' خان نے اس کے دونوں دراز قد ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ مریخ کے انسان ہیں۔''

''کیا یہ موسیو سلازار کے مطیع ہیں؟''

''احترام کو اگر اطاعت کا نام دیا جائے تو مریخ کا ہر جاندار ان کا مطیع ہے۔ ویسے

محترم سلا زار نے زمینی شمار کے صرف پچیس برسوں میں مریخ کا نقشہ بدل دیا ہے۔مریخ کے لوگ تو انھیں آسمانی دیوتا کی طرح پوجتے ہیں، حالانکہ موسیو سلا زار نے موجودات کی پرستش کو خلاف قانون فطرت قرار دیا ہے۔" وہ بتانے لگی۔

"میں موسیو سلا زار سے ملنے کیلئے بےچین ہوں۔" خان بولا۔

"یہاں واپس پہنچنے پر مجھے کچھ عجیب سا رنگ نظر آرہا ہے۔" لڑکی اچانک فکرمند ہو گئی۔

"کیا مطلب؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتی، نہ مجھے کچھ علم ہے، بس مجھے حالات میں کچھ عجیب سا تغیر محسوس ہو رہا ہے۔بہر حال معزز مارکو ہی صحیح رہنمائی فرما سکتے ہیں۔وہی آپ کو موسیو سلا زار سے ملائیں گے۔" لڑکی نے بتایا۔

"محترمہ، آپ یہاں کیسے پہنچ گئی تھیں؟" بالے نے اچانک لڑکی سے سوال کیا۔

"میں اب سے ۲۵ سال پہلے ایک مرتبان میں لائی گئی تھی۔" لڑکی نے مسکرا کر بتایا۔

"شاید اس وقت پیدا ہوئی ہونگی آپ؟"

"جی نہیں، اس وقت بھی میں اتنی ہی بڑی تھی، البتہ میرا قد ۲ ۱/۲ فٹ کا تھا۔" لڑکی نے بتایا۔

"اے لو، ڈھائی فٹ کی بھی کہیں اورت ہوتی ہے اور پھر کیا ہوا ابھر کے لمبی ہو گئیں آپ؟" شوکت سے بھی نہ رہا گیا۔

"جی نہیں، موسیو سلا زار ہمیں ا۔ٹمک پلانٹ آف شرنکنگ باڈیز میں ۲ ۱/۲ فٹ کے سائز تک مختصر کر کے لائے تھے اور یہاں انھوں نے ہمیں پھر انلارج کر دیا۔تب سے میں اور ہمارے ساتھ آئے ہوئے تمام لوگ اسی کیفیت میں ہیں۔" اس نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''یعنی گزرنے والی عمر کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا؟''

''جی نہیں۔ ہمیں جو غذا یت پہنچائی جاتی ہے اس سے ہماری توانائی حسبِ معمول برقرار رہتی ہے۔'' لڑکی نے بتایا۔

''موسیو سلازار سے یہ نسخہ حاصل کر کے میں واپسی پر ایک ہمدرد دواخانہ کھولوں گا۔'' بالے نے اپنی تجویز پیش کر دی۔

''آپ لوگ غسل فرما کر لباس تبدیل کر لیں، تب تک میں معزز مارکوئس کو اطلاع کرتی ہوں۔'' لڑکی نے کہا۔ ''میرے ساتھی آپ کی خدمت میں موجود رہیں گے۔'' وہ دونوں کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''واوا، اچھی میمان نوازی ہے سالی، نہ چائے نہ ناشتا ماشتا، بس نہالو اور کپڑے بدل لو۔'' شوکت بڑبڑایا۔ اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں انھیں یہ بھوک اس ایسٹرائڈ پر نہیں محسوس ہوئی تھی، لیکن یہاں تو سو کر اٹھتے ہی وہ شدت سے بھوک محسوس کر رہے تھے۔

''گھبرایئے نہیں، آپ کو ذرہ بھر کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔'' لڑکی یہ کہہ کر چلی گئی۔

وہ دونوں مریخی ایک طرف ان کی رہنمائی کرنے لگے اور وہ اسی عالم میں ان کے پیچھے ہو لیے۔

وہ دونوں مریخی ان کی رہنمائی کرنے لگے، وہ جب اس نصف دائرے کی شکل کی عمارت کے سرے پر دیوار کے نزدیک پہنچے تو انھیں یہاں جوڑے جوڑے فریم نظر آئے، مگر دروازہ نہ تھا۔ البتہ ان فریموں کے نزدیک چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ ان مریخیوں میں سے ایک نے سوراخ کے قریب منہ لے جا کر 'وا' کی آواز نکالی اور فریم کے درمیان کا حصہ ایک طرف غائب ہو گیا۔ دروازہ صرف آواز سے کھلتے، پر انھیں حیرت ضرور ہوئی، مگر سلازار کے دیس میں وہ ایسے ہی حیرتناک موجودات کا تصور لے کر چلے تھے، لیکن اس

سے بھی زیادہ حیرتناک بات یہ ہوئی کہ باہر نکل کر انھوں نے چند قدم چل کر ہی جب اس نصف گول عمارت کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ انھیں دھندلی دھندلی سی نظر آئی۔ کچھ دور اور جانے پر جب دوبارہ خان نے پلٹ کر اسے پھر دیکھا، تو وہاں اسے کچھ نظر نہ آیا، بس ایسا لگا جیسے خالی زمین سے ابخرات اٹھ رہے ہوں۔

''آپ نے کچھ دیکھا۔'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''ہاں، عمارت غائب ہوگئی، مگر یہ مریخ کی سرزمین ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

وہ پیدل ہی چل رہے تھے، انھیں اپنی رفتار معمول پر ہی معلوم ہوئی، جیسے اپنی زمین پر ہی چل رہے ہوں۔ یہاں سانس لینے میں بھی کوئی دقت نہیں پیش آ رہی تھی۔ آکسیجن کے خول انھوں نے وہیں اندر اتار دیے تھے، کیونکہ ان کی رہبری کرنے والی لڑکی نے انھیں بتایا تھا کہ سردست اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ انھیں فضا نہ گرم محسوس ہوئی نہ سرد۔ بڑا خوشگوار اور معتدل موسم معلوم ہوتا تھا۔

''کتنا خوشگوار موسم ہے۔ کیا یہ موسمِ بہار ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''یہاں ہمیشہ ایسا ہی موسم رہتا ہے۔ مریخیوں میں سے ایک بول اٹھا اور وہ تینوں تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ کرۂ ارض کی کوئی زبان، اور خاص کر ان کی زبان بول سکے گا۔

''کیا تم ہماری زبان جانتے ہو؟'' بالے نے ہی اس سے سوال کیا۔

''ہمارے یہاں زمین کی تمام بڑی زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''ہم آپ کی زبان جانتے ہیں۔''

''اور تمہاری زبان کیسی ہوتی ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''وہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔'' مریخی مسکرایا۔

''کیا سلازار سے پہلے بھی تم یہ زبان نہیں جانتے تھے؟''

Akram Allahabadi

''ادب سے نام لیجیے، معزز مہمان، موسیو سلازار کا احترام مریخ کا اولین منصب ہے۔'' یہ کہتے ہوئے مریخی کا چہرہ کچھ سرخ ہو گیا۔ بالے کو اس سے گفتگو کرنے میں سر اٹھا کر چیخنا پڑتا تھا۔ جب کہ وہ بہت آہستہ لہجے میں جواب دے رہا تھا۔ خان بھی بالے کو گھورنے لگا۔

''آئی ایم ساری۔'' بالے نے معذرت کی۔ ''میرے اس خطاب میں بھی موسیو سلازار کیلیے احترام کا جذبہ کارفرما تھا۔ دراصل ہم لوگ ان کے اس قدر قریب رہے ہیں کہ زبان سے غیر ارادی طور پر ایسی بے تکلفی سرزد ہو جاتی ہے۔'' بالے نے وضاحت کی۔ وہ اس جواب سے مطمئن ہو گیا اور مسکرا دیا۔

''لیکن آپ دوسروں کو اس جواب سے مطمئن نہیں کر سکیں گے۔'' اس نے کہا۔

''میں اس کا لحاظ رکھوں گا۔''

''اس مقام کا نام کیا ہے؟'' خان نے اس مریخی کی توجہ اپنی طرف پھیرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''مین سیکٹ۔'' اس نے جواب دیا۔

شوکت اس وقت اپنے آپ کو کچھ بیوقوف سا محسوس کر رہا تھا، کیونکہ اس کی سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ وہ کس رخ سے گفتگو چھیڑے۔ لہٰذا وہ اپنا منہ بند کیے چاروں طرف دیکھتا چل رہا تھا۔ کہیں دور دور تک کسی آبادی کے نشانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ زمین ملائم تھی اور کسی راہگذر کی طرح حدِ نظر تک پھیلی چلی گئی تھی۔ اس سے باریک لہریے ہر طرف اٹھتے نظر آ رہے تھے، جن کی وجہ سے ہلکی سی کہر ہر سو پھیلی ہوئی تھی اور بہت دور کچھ دھندلے سیاہ خاکے بھی نظر آ رہے تھے۔ آخر میں ایک سوال اس کے ذہن میں پیدا ہوا۔

''یہ اپن کونسے جنگل بیابان میں آ گئے، میاں خان؟'' اس نے بالے سے پوچھا۔

''یہ مریخ کی دنیا ہے۔'' بالے نے اسے جواب دیا۔

''اے لو، دنیا ئی دنیا ہے تو سالی کیا یا دریگی۔ نہ گھاس نہ پوس، نہ آدمی نہ آدم

زاد۔'' وہ بڑبڑایا۔پھر اس نے آہستہ سے بالے سے پوچھا۔''کہیں سالے اپن کو شیر بدر تو نہیں کررے ہیں؟''

''چپ چاپ دیکھتے جاؤ، جو کچھ ہو رہا ہے۔'' بالے نے سرگوشی کے لہجے میں اسے ڈانٹا۔

''ارے وا، یانی مرو تو مرو، اوپر سے چیں پوں بھی نہیں کرو؟'' شوکت نے منہ لٹکا لیا۔بالے کو ہنسی آ گئی۔شوکت اس کی طرف سے رخ پھیر کر خان سے مخاطب ہوا۔

''خان صاحب، اپن کو لق ودق جنگل کیا پیدل پار کرنا پڑے گا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں یانی صحرائے لق ودق، میرا مطلب ہے بیابان۔'' وہ سمجھانے لگا۔

''شاید ہم زیادہ دور نہیں جائیں گے۔'' خان نے کہا۔

''اوچ۔'' بالے کے حلق سے آواز نکلی اور وہ اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا۔اس گفتگو کے دوران وہ ان سے کافی آگے نکل گیا تھا۔

چلتے چلتے ہی اچانک وہ کسی نظر نہ آنے والی شے سے ٹکرا کر الٹ گیا۔وہ دونوں مریخی قہقہہ مار کر ہنس پڑے، مگر پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو گئے۔بالے اندھے کی طرح ہاتھوں سے خلاء میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔

''وزٹر چیئر ہے۔'' ایک مریخی نے بتایا۔تب خان بھی مسکرا دیا۔شوکت سنبھل کر اٹھا اور وہ بھی بالے کی طرح ٹٹولنے لگا۔ان کے ہاتھ کسی دیوار جیسی سخت سی چیز کو چھو رہے تھے۔ذرا غور سے دیکھنے پر انھیں بہت دھندلا سا اس دیوار کا عکس نظر آیا۔

''دور سے غور کیا جاتا تو اس عمارت کا ہلکا عکس آپ کو نظر آ جاتا۔'' ایک مریخی نے بتایا۔پھر وہ اس نظر نہ آنے والی دیوار کے قریب پہنچ گئے۔

''واڈی وا۔'' ایک نے چیخ کر کہا اور اس کے ایک سیکنڈ بعد اس نظر نہ آنے والی دیوار میں ایک دروازہ پیدا ہو گیا، جس کے اندر سے روشنی آ رہی تھی۔

''تشریف لے چلیے۔'' مریخیوں نے ان کی رہنمائی کی۔خان نے سب سے پہلے اندر قدم رکھا۔پھر وہ سب اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

''یہاں میکانزم ہی ایسا ہے کہ مخصوص آواز کی فورس سے دروازے کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔'' مریخ کے پرسکون ماحول میں آواز کی گونج کی طاقت کو ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کمال ہے۔کیا مریخ میں سب سائنسداں ہی ہوتے ہیں؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ہماری عام معلومات ہیں۔ایسی باتیں تو مریخ کا ہر عام انسان جانتا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

یہ ہال اندر سے بہت شاندار تھا۔لمبے گول ستون جیسے آسمان چھوتے کھڑے ہوئے تھے۔چھت بہت بلند تھی اور اس کا رنگ نیلگوں تھا، جس میں چھوٹے چھوٹے تارے چمک رہے تھے۔ایسا لگتا تھا جیسے سر پر کھلا آسمان ہو۔ تمام ستون پورے پورے روشن تھے اور اسی روشنی سے پورا ہال منور تھا۔ان ستوں کے درمیان سے ایک سرخ قالین بچھتی چلی گئی تھی جو ایک بند دروازے پر پہنچ کر ختم ہوئی تھی۔وہ دونوں مریخی بڑے احترام سے اس دروازے کی طرف ان کی رہنمائی کرنے لگے۔خان نے دیکھا قالین کے دونوں سمت اور بھی مریخی موجود تھے، جو ویسے ہی لباسوں میں مودب کھڑے ہیں۔سناٹے کا یہ عالم کہ انھیں خود اپنے تنفس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔وہ جیسے ہی اس دروازے کے قریب پہنچے دونوں مریخی محافظ وہیں رک گئے اور دائیں بائیں ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔دروازہ آپ سے آپ کھلا اور دہکتے ہوئے سرخ چست لباس میں ایک کھلی ہوئی رنگت اور مبہوت کر دینے والے نقوش کی لڑکی نمودار ہوئی۔شوکت تو اسے دیکھتے ہی سکتے میں رہ گیا۔اپنی تمام زندگی میں اس نے ایسا حسین خواب کبھی نہ دیکھا تھا۔بالے خود حیران حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ اصل ہے۔''اس نے آہستہ سے خان سے پوچھا۔

''چھو کر دیکھ لینا۔''خان مسکرایا۔

وہ حسین مرقع ایک دل لبھا لینے والی مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا اور ذرا سا جھک کر بولا۔

''میں موسیو سلازار کے معتمد خاص معزز مارکوئس کی طرف سے کرۂ ارض کے مہمانوں کو خوش آمدید کہتی ہوں۔''

خان نے جواباً کہا۔''میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔''شوکت بھی کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بالے نے کہنی ماری اور وہ منہ بند کر کے رہ گیا۔

''تشریف لایئے، معزز مارکوئس ناشتے کی میز پر منتظر ہیں۔''اس نے اندر کی طرف اس کی رہنمائی کی۔وہ چاروں اندر داخل ہو گئے۔یہ ایک ٹھنڈا کمرہ تھا، لیکن خنکی اور خوشگوار قسم کی تھی۔

درمیان میں ایک گول میز رکھی تھی، جس کے چاروں طرف نشستیں تھیں۔وہ جیسے ہی قریب پہنچے کرسیاں آپ سے آپ ان کی طرف گھوم گئیں۔

''تشریف رکھیے۔''لڑکی مسکرائی۔

خان ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔یہ دیکھ کر بالے اور شوکت بھی بیٹھ گئے۔ان کے بیٹھتے ہی کرسیاں واپس گھومیں اور ان کا رخ میز کی طرف ہو گیا۔میز خالی تھی۔وہ لڑکی ان کی پشت پر کھڑی رہی۔

اتنے میں ایک بڑا مدھم سا گانگ بجا اور ایک سمت کی دیوار میں ایک دروازہ پیدا ہو گیا۔اس میں سے جو شخص داخل ہوا وہ ایک بھاری بھرکم بوڑھا آدمی تھا۔بوڑھا اس لیے کہ اس کی داڑھی سفید تھی۔قویٰ تندرست نظر آتے تھے۔

''معزز مارکوئس۔''لڑکی نے پہنچتے ہی کہا۔

خان احتراماً اٹھا۔ بالے اور شوکت بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تشریف رکھیے، تشریف رکھیے۔'' مارکوئس نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا۔ وہ ایک ڈھیلا سا سبز کوٹ پہنے ہوئے تھے، جس کا بڑا اور چوڑا کالر الٹا ہوا تھا۔ کوٹ کے بٹن سنہری تھے اور اس طرح چمک رہے تھے گویا اگر تاریکی ہوتی تو شاید نارچ کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ پہلی نظر میں ہی وہ سنجیدہ قسم کا شریف آدمی نظر آتا تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ ذرا سی چوک سے آپ لوگ خلاء میں بھٹک گئے اور آپ کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔'' مارکوئس نے خان کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں، خاصا ایڈونچر رہا۔'' خان نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''خدا نہ کرے آپ لوگوں کو کچھ ہو جاتا تو موسیو سلازار مجھے کبھی معاف نہ کرتے۔'' مارکوئس بولا۔

''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے، وہ جب تک تقدیر نہ کر دیا نسان کو کوئی نہیں مار سکتا۔'' خان نے مارکوئس کے احساسِ شرمندگی کے بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، ہمارے خان صاحب دیوبند کے سند یافتہ ہیں۔'' بالے درمیان میں بول پڑا۔ مارکوئس مسکرا دیا۔

''اے لو، یہاں سلائے مریخ میں دیوبند کاں سے نکل آئی؟'' شوکت بھی بول اٹھا۔

''میں آپ لوگوں کی مزاج پرسی کرنے والا ہی تھا۔ آپ کے آنے سے کافی عرصہ قبل موسیو سلازار اپنے مہمانوں کا مفصل تعرف ہم سے کرا چکے تھے۔'' مارکوئس نے یہ کہتے ہوئے بالے اور شوکت سے بھی مصافحہ کیا۔ وہ لڑکی پیچھے مودب کھڑی ہوئی تھی۔ شوکت کی نظریں اس سے اس لڑکی کے بارے میں سوال کرنے لگیں۔

Akram Allahabadi

''یہ میری معتمد خاص آریں زورا ہیں۔آپ لوگوں کو ہر وقت دریافت کر لینے کے کام میں ان کی کافی مستعدی شامل ہے۔'' مارکوئس نے لڑکی کی تعریف کی۔

''ماشاءاللہ خوب ہیں۔'' بالے نے آہستہ سے کہا۔

''اورانشاءاللہ بھی ہوں گی۔'' شوکت جل گیا۔

آریں زورا کے چہرے کی کیفیت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ان کی گفتگو سن رہی ہے، لیکن وہ خاموشی سے مسکراتی رہی۔

''ایک بات عرض کر دوں۔'' مارکوئس بالے اور شوکت سے ہنس کر بولا۔

''ان ایوانوں میں ایک خاص خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ ان کے کسی کونے میں چھپ کر بھی کانا پھوسی کریں گے تو میرے کان سن لیں گے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ہمارے سوا اور کوئی نہیں اتنے بڑے ایوان میں؟'' خان نے پوچھا۔

''جی نہیں، میرا پورا اسٹاف موجود ہے، لیکن یہ بات ہم نے صرف اپنے لیے کہی ہے۔آپ لوگوں کیلیے نہیں۔''

''شاید آپ کی قوت سماعت غیر معمولی ہو گی۔؟'' خان نے سوال کیا۔

''اوہ، آپ تو بحث پر اتر آئے، لیجیے ملاحظہ فرمایے۔'' یہ کہہ کر مارکوئس نے اپنے دونوں کان دبائے۔اس کے کانوں کے اندر سے دو چھوٹے چھوٹے بٹن سے نکل پڑے، جو اس نے ہتھیلیوں پر رکھ کر خان کو پیش کر دیے۔ان بٹنوں کی سطح پر باریک سی جالی لگی ہوئی تھی۔ یہ عام بٹنوں سے کچھ زیادہ وزنی تھے۔

''ٹرائی کیجیے۔'' مارکوئس خوش اخلاقی سے بولا۔خان نے اسی طرح وہ دونوں بٹن اپنے کانوں کے سوراخوں میں رکھ لیے۔اس کے کان مین جھنجھناہٹ سی ہونے لگی۔پھر اسے مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چلنے کی آوازیں، گفتگو کی آوازیں، مشین جیسی گونج، ٹائپ

جیسی مسلسل ٹک ٹک۔

کہیں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔

''ان زمین کے مہمانوں میں کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے، تب ہی تو ان کی اتنی عزت کی جا رہی ہے، شیشی۔''

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ان کی آمد کے بارے میں ایک لفظ بھی باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ معزز مارکوئس تمہیں کڑی سزا دیں گے اگر تم اتنی لاپرواہی سے کام کروگے۔'' کسی دوسرے نے کہا۔ ''یہاں کے دستور میں غلامی کے احساس کو بھی تہذیب کو جدید ترین لعنت سمجھا گیا ہے۔ یہ تو تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم اسٹاف میں ہو، ورنہ کیا تمہارے فرشتوں کو بھی اس راز کی خبر ہوتی۔'' دوسرے نے تنبیہ کرنے والے لہجے میں کہا۔

''تو میں نے کونسا غضب کر دیا گفتگو کر کے۔'' پہلے نے بھی بگڑ کر کہا۔

''غصہ ایک نقصان پہنچانے والا جذبہ ہے، میرے دوست۔ معزز مارکوئس کے حکم میں ہماری سلامتی کا راز مضمر ہے۔'' دوسرے نے سمجھایا۔

''ہوگا، مجھے کیا۔'' پہلے نے یہ جملہ یقیناً برا سا منہ بنا کر کہا ہوگا۔

خان نے جلدی وہ وہ بٹن نکال کر مارکوئس کے حوالے کر دیے۔

''''کوئی خاص گفتگو ہو رہی ہے۔'' خان بولا۔ مارکوئس نے بٹن کان مین رکھ لیے۔ وہ کچھ دیر تک غور سے سنتا رہا، پھر وہ خان سے مخاطب ہوا۔

''آپ نے کیا کیا سنا تھا ان دونوں سے؟''

خان نے سب بتا دیا۔ مارکوئس کے ماتھے پر شکن پڑ گئی۔ وہ اپنی معتمد کی طرف گھوما۔

''آرین، XR7E کو ہنڈریڈ بلو زیرو سکٹ پھنکوا دو۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا، لیکن یہ کہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں کسی طاقت کے غرور یا غصے کا شائبہ نہ تھا۔ پھر وہ خان کی طرف گھوما۔

Akram Allahabadi

''ہم اپنی سرزمین پر فساد پھیلانے والوں کو پناہ مانگنے والی سزائیں دیتے ہیں۔'' یہ کہتا ہوا وہ ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ آرین (Aureen) جا چکی تھی۔ ''آپ لوگ کس قسم کا ناشتہ پسند کریں گے؟'' اس نے ان سے پوچھا۔

''جس قسم کا یہاں کیلیے مواقف ہو۔''

''اوہ، اچھا۔'' کہہ کر اس نے اسی میز میں کرسی کے سامنے لگے ہوئے تقریباً نصف درجن بٹنوں میں سے ایک تین نمبر کا بٹن دبا دیا۔ خان نے دیکھا، ایسے بٹن خود ان کی کرسیوں کے سامنے موجود تھے۔ تقریباً چند سیکنڈ ہی گزرے ہوں گے کہ میز کے درمیان سے ناپ کا ایک چھوٹا سا گول حصہ نیچے کی طرف دھنس گیا۔ میز کیونکہ اپنی اونچائی میں چاروں طرف سے بند تھی، اس کے اندر کی میکانزم ان کی سمجھ میں کچھ نہ آئی۔ اس عمل کے ساتھ ہی اس گول خلاء سے ایک لوہے کا پنجہ نکلا، جس نے اپنی ہتھیلی پر ایک پلیٹ اٹھا رکھی تھی۔ یہ کسی ہلکی سی نرم دھات کی پلیٹ تھی۔ مارکوئس نے وہ پلیٹ لے کر میز پر رکھ دی۔ پنجہ پھر واپس اندر چلا گیا اور دو سیکنڈ بعد پھر اوپر آیا۔ اس بار بھی اس پر ایک پلیٹ تھی۔ اس طرح چار پلیٹیں باہر آئیں۔ خان نے دیکھا ان میں کسی حلوے جیسی نرم چیز کے تین تین ٹکڑے چنے ہوئے تھے۔ مارکوئس نے تینوں پلیٹیں ان کی طرف کھسکا دیں، چوتھی اپنے سامنے رکھی۔ بعد میں اسی آہنی پنجے نے ایک سائفن لا کر سامنے درمیان میں رکھ دیا۔ جو مارکوئس نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر وہ ایک پلیٹ لایا جس میں چار گلاس تھے۔

ناشتہ بڑا لذیذ ثابت ہوا۔ سائفن سے ایک گلابی رنگ کا سیال انڈیل کر مارکوئس نے ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے پینے کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے اب اگر ایک ہفتے تک کھانا نہ ملے تو وہ بھوک محسوس نہ کریں گے۔

''آپ کو مریخ کے سب سے لذیذ اور طاقت بخش پھل کا حلوہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ سیال جو انگوترہ کا عرق ہے، آپ کو چائے، کافی حتیٰ کہ پانی تک کی خواہش سے بے نیاز کر

دیگا۔'' مارکوئس نے بتایا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ مارکوئس اٹھ کھڑا۔ ''اب میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھی برا نہ مانیں گے اگر میں آپ کو اپنی نشست گاہ میں لے جاؤں۔'' بالے اور شوکت سے معذرت طلب کرتے ہوئے بولا۔ خان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اے لو، اس میں کائے کو برا ماننا۔ اپن خود خلخلیہ کر سکتے ہیں۔'' شوکت جلدی سے بول اٹھا۔

''تخلیہ، شوکت بھائی، تخلیہ۔ کم از کم مریخ پر اردو کی مٹی پلید مت کرو۔'' بالے نے ٹوکا۔

''تم رہنے دو، میاں خان اپنا ڈکشنری پن۔ میری خوشی، جاؤ میں میخلیا بولوں گا، نچلیہ بولوں گا۔''

''کیوں نہیں، تمہاری زبان ہے، چاہے حلوہ کھاؤ، چاہے گوبر۔'' خان یا مارکوئس دونوں میں سے کوئی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ مارکوئس خان کو لے کر ایک چھوٹے سے کاریڈور کی طرف گھوم گیا۔ یہاں وہ ایک ایسے موٹے... کے دروازے میں داخل ہوئے، جو باہر سے ایک ریفریجریٹر کے ڈھکن کی طرح نظر آتا تھا۔ کمرہ اندر سے چوکور اور ساؤنڈ پروف تھا۔ اور اس کی دیواروں میں چاروں طرف آئینے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک میز رکھی ہوئی تھی جو چھ سات تاریخوں والا چاند کی شکل جیسی تھی۔ اس کے درمیان ایک کرسی تھی، جس کے ہتھوں پر بہت سے چھوٹے چھوٹے پودے لگے تھے۔ کمرے میں چاروں طرف نچلی سطح پر آئینوں کے نیچے یہ ایسے چیمبر بنے تھے جنہیں کئی کئی بٹن لگے تھے اور ان کے درمیان شیشے کی نلیوں میں بنفشی لہریں دوڑتی ہوئی پھر رہی تھیں۔ چھت زیادہ اونچی نہ تھی، لیکن اس میں وسط سے روشنی کے دائرے نکل نکل کر پھیل رہے تھے۔ جس طرح پانی میں پتھر پھینکنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ میز پر ایک لیمپ کے قسم کا لیس رکھا تھا۔

Akram Allahabadi

''تشریف رکھیے۔'' مارکوئس نے خان کو میز کے سامنے کی بہت ملائم نشست کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ خان بیٹھ گیا۔ مارکوئس نے میز کے دوسری طرف بیٹھ کر اس کی دراز کھولی اور اندر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا جس کے ساتھ ہی وہ ٹیبل لیمپ کے قسم کی چیز روشن ہو گئی، لیکن اس روشنی سے صاف نیلگوں کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ مارکوئس نے لیمپ کا رخ چھت کے بیچوں بیچ بنے دائرے کی طرف پھیر دیا۔ یہ تقریباً ڈیڑھ فٹ کے قطر کا دائرہ تھا جس کی لکیر بہت مدھم سی نظر آ رہی تھی۔ لیمپ کی روشنی برابر اتنے ہی سائز پر دائرہ بناتی تھی۔ خان بھی چھت کو دیکھتا رہا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چند سیکنڈ بعد دائرے کی لکیر گہری ہو گئی اور پھر چھت کا اتنا حصہ نیچے کی طرف آنے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ میز کی ٹاپ تک آ گیا۔ یہ شے ایک ریک معلوم ہو رہی تھی، جس کے چاروں طرف شیشے جیسی دیوار تھی۔ خان نے دیکھا اس میں کچھ چھوٹی چھوٹی سی چیزیں اور کچھ کاغذات رکھے تھے۔ مارکوئس نے اس میں ہاتھ ڈال کر کاغذات کا ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال لیا اور پھر دراز میں ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے بٹن کو دبایا۔ شیشے کی یہ گول شے جس طرح نیچے کی سمت آئی تھی، اسی طرح واپس چھت میں جا کر غائب ہو گئی۔

یہ موسیو سلازار کا خصوصی مکتوب آپ کے نام ہے۔'' مارکوئس نے وہ پیکٹ خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مگر موسیو سلازار کہاں ہیں؟'' خان نے چونک کر کہا۔

''یہ موسیو سلازار کا خصوصی مکتوب آپ کے نام ہے۔'' مارکوئس نے وہ پیکٹ خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ بڑا اہم راز ہے۔ بہر حال ان کاغذات سے آپ کو کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ہاں، اور یہ بات کبھی فراموش نہ کیجیے گا کہ یہ موسیو سلازار کا سب سے اہم راز ہے، جس کیلیے انھوں نے سوائے آپ کے کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔ اس کی حفاظت آپ کو اپنی جان سے زیادہ کرنی پڑے گی۔'' مارکوئس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں۔'' خان نے کہا۔ ''لیکن موسیو سلازار ہیں کہاں؟'' خان نے حالات کو ایک پراسرار رخ اختیار کرتے دیکھ کر کہا۔

''وہ خطرے میں ہیں، صرف اس قدر جانتا ہوں، اس سے زیادہ تو مجھے معلوم نہیں۔ شاید آپ پردہ کا انکشاف کردیں۔'' مارکوئس نے کہا۔

''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے مجھ پر اس قدر بھروسہ کیا، لیکن کیا وہ مریخ پر بھی نہیں ہیں؟'' خان نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ سوال کیا۔

''مجھے وہ جاتے جاتے ہدایت کر گئے تھے کہ میں آپ کے آتے ہی یہ امانت آپ کے سپرد کردوں۔ اس سے زیادہ خود مجھے بھی علم نہیں ہے، بلکہ دراصل ان کا معتمد خاص ہوتے ہوئے بھی مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب کیا کرنے والے ہیں۔''

''بہتر ہے۔ لیکن آپ اشارۃً تو تو کچھ بتایئے، مجھے تو خلاف توقع یہاں حالات کچھ عجیب سے معلوم ہو رہے ہیں۔'' خان نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''بات کچھ ایسی ہی ہے۔ یہاں کچھ عرصے سے عجیب عجیب حالات ہو رہے ہیں۔ موسیو سلازار کی شخصیت خود ہم سب کیلیے ایک معمہ بن گئی ہے۔ بہر حال ان کاغذات کے مطالعے کے بعد اگر آپ مجھ سے کوئی بحث کرنا چاہیں گے تو زیادہ مناسب ہوگا۔'' مارکوئس نے نہایت ٹھنڈے لہجے میں کہا۔ ''اور میرے ساتھی؟''

''آپ کو خود ہی سب کچھ فیصلہ کرنا ہوگا۔ اسی ایوان کے خصوصی مہمان خانے میں آپ لوگوں کے قیام کا انتظام ہے۔ آپ سکون سے ان کاغذات کا مطالعہ کرلیں، اس کے بعد جیسا آپ چاہیں گے، ویسا ہی انتظام کیا جائے گا۔''

''تو پھر مجھے اجازت دیجیے۔''

''چلیے۔'' مارکوئس بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

وہ جب باہر آئے تو خان نے دیکھا، بالے اور شوکت دونوں آرین سے ہمکلام تھے۔ وہ ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ اور شوکت تو اس کی اس دلفریب مسکراہٹ پر چاروں ہاتھ پاؤں سے قربان ہوا جا رہا تھا۔ خان اور مارکوئس کو دیکھ کر دونوں سٹپٹا گئے۔ آرین اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ دیکھ کر وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے۔

''آرین، مہمانوں کو ان کی قیام گاہ پر پہنچا دو، لیکن ان کا قیام انتہائی صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔'' اس نے حکم دیا۔

''جی، جی ہاں۔'' آرین کچھ گھبرائی ہوئی سی بولی۔ مارکوئس مسکرا دیا۔

''میں بوڑھا ہو چکا ہوں، لیکن مجھے اپنی جوانی کے دن یاد ہیں۔ ایسی دلچسپیاں بری نہیں، بشرطیکہ فرائض میں حائل نہ ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے ان کا تخاطب بالے اور شوکت کی طرف تھا۔ پھر اس نے خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اسے ایک چھوٹا سا پاکٹ ٹرانسمیٹر دیا، جس کی شکل ایک چپٹے سے سگار لائٹر سے ملتی جلتی تھی۔

''کسی بھی ضرورت کے وقت آپ مجھے اس کا یہ نیلا پن دبا کر کال کر سکتے ہیں اور اس سرخ پن کو دبانے سے آپ کو اسی ٹرانسمیٹر سے میری آواز سنائی دے گی۔ ویسے اس عمارت کی حد تک اگر آپ اپنے کمرے میں اونچی آواز میں میرا نام لے کر پکاریں گے تو میرے کانوں میں آپ کی آواز پہنچے گی اور میرا جواب بھی آپ کو مل جائے گا۔ یہ ٹرانسمیٹر صرف میرے اور آپ کے درمیان گفتگو میں بھی کام آ سکتا ہے۔ یہاں بھی اور یہاں سے باہر پورے سکٹ میں۔''

''یہ سکٹ کیا چیز ہے؟'' خان نے رخصت ہوتے بھی سوال کر دیا۔

''پورے مریخ کو سبز علاقہ چھوڑ کر سات سکٹروں میں موسیو سلازار نے اسی امور کیلئے تقسیم کر دیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر سکٹر میں آپ کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف حالات ملیں گے۔ چار سکٹر کا سکٹ خود ڈی ہنڈریڈ (Sect 4D 100) کہلاتا ہے۔''

''مجھے توقع نہیں تھی کہ مریخ پر ایسی فضا ہو گی، جس میں انسان سانس لے سکے۔''

''اوہ، اس سکٹ میں آپ کو فضا قطعی نارمل اور زمین جیسی ملے گی۔ کیونکہ یہاں ٹمپریچر کا اوسط سوڈگری رکھا گیا ہے۔ البتہ اس سیکٹر کے باہر درجۂ حرارت صفر سے گرتا ہوا نقطۂ انجماد تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ایسے بھی مقامات آتے ہیں جہاں ہر شے جم کر پتھر کی طرح سرخ ہو جاتی ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس سکٹر میں جو رقبے میں آسٹریلیا کے برابر ہے، آپ کو زمین جیسے ہی حالات ملیں گے۔ البتہ آبادی اس پورے سکٹ کی صرف بیس لاکھ ہے، جس میں پچاس ہزار زمین والے اور باقی مقامی نسل ہے۔'' مارکوئس نے بتایا۔

''کیا زمین سے اس قدر لوگ یہاں تک پہنچ چکے ہیں؟''

''اوہ نہیں، آپ یہاں رہ کر اس راز کو سمجھ جائیں گے کہ کس طرح موسیو سلازار نے ۲۵ برس کی مدت میں ۵۰ انسانوں سے ۵۰ ہزار انسان پیدا کر لیے ہیں۔'' مارکوئس نے ان سب کی طرف باری باری دیکھ کر بتایا۔

''اے لو، آپ کے موسیو سلازار نعوذ باللہ، کوئی دیوتو بھگوان ہیں کیا؟'' شوکت کو یہ بات بڑی عجیب اور ناگوار سی گزری۔

''نہیں، مگر کیونکہ ابھی آپ یہاں کے بارے میں از خود موسیو سلازار کے بارے میں زیادہ نہیں جان سکے ہیں، اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو ان کی اس حیرتناک ذہانت کا ایک سائنسی معجزہ ہے جو اس قادرِ مطلق خدا نے انھیں بخشی ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ کی دنیا نے شاید سائنس میں ابھی تک کوئی خاص ترقی نہیں کی ہے، تب ہی آپ اس قدر حیران ہو رہے ہیں۔'' اس نے شوکت کو سمجھایا۔

''ان کی عقل ذرا موٹی ہے، یہ آسانی سے نہ سمجھ سکیں گے۔'' خان نے انگریزی میں مارکوئس کو سمجھایا۔ ''لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ پچھلی بار ہم جس عمارت میں تھے، وہاں سے باہر آنے پر وہ عمارت ہماری نظروں سے کیوں اوجھل ہو گئی اور خود آپ کے ایوان کی دیوار بھی ہمیں باہر سے نظر نہیں آئی تھی، بلکہ یہ میرے ساتھی تو اس سے ٹکرا گئے تھے۔'' خان نے اس

سے سوال کیا۔

''مریخ کو اگر آپ آسمان سے دیکھیں تو دھندلے کہرائے ہوئے ویرانوں کے سوا آپ کو کچھ نظر نہ آئے گا، یا پھر وہ سبز علاقے جو پراسرار بلاؤں کے مسکن ہیں۔ البتہ زیادہ غور سے دیکھنے پر آپ کو مریخ کی سطح پر سات بڑے بڑے آبلے نظر آئیں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح جلد کو آگ کی آنچ لگنے سے بدن پر پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ آبلے ہ جو ہزاروں میل کے رقبے کو ڈھکے ہوئے ہیں وہ پروٹیکٹو شیلٹر (Protective Shelter) ہیں جو ہر سیکٹر کو ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ گیس کی ایک موٹی تہ کا غلاف ہے جو موسیو سلازار کی سائنسی صلاحیتوں کا شاہکار ہے۔ اس غلاف کے اندر انھوں نے سطح پر بسنے والی مخلوق کے مزاج وضرورت کے مطابق ٹمپریچر قائم کیا ہے اور یہ سلفا ایموبک گیس کی تہ ہی بالائی فضا میں بکھرنے والی سورج کی حرارت سے ضرورت کے مطابق آکسیجن اخذ کر کے شیٹر ے اندر پھیلا دیتی رہتی ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ آسمان سے مشاہدہ کرنے پر آپ کو مریخ کے جسم پر سات پکے ہوئے پھوڑے بکھرے نظر آئیں گے۔ اوران میں سے ہر پھوڑے کے اندر ہزاروں لاکھوں کیڑے کلبلا رہے ہیں۔ یہ کیڑے ہی یہاں کے جاندار، یعنی ہم لوگ اور دوسرے سیکٹروں کی مخلوقیں۔''

مارکوئس نے جانے کا ارادہ ملتوی کر کے کسی لیکچرار کے انداز میں انھیں سمجھایا۔ خان اور بالے تو سمجھے بھی اوران خیر تناک بلکہ معجزاتی ایجادات پر حیران بھی ہوئے، لیکن شوکت کے پلے کچھ بھی نہ پڑا۔ وہ کسی ہونق کی طرح منہ کھولے ان کے منہ تکتا رہا۔

''واقعی، موسیو سلازار نے تو مریخ پر ایک خواب وخیال کی دنیا قائم کر رکھی ہے۔'' خان کے منہ سے نکلا۔

''ہمارے لیے تو یہ حقیقت ہے۔ آپ جو بھی سمجھیں۔'' مارکوئس مسکرا دیا۔

''لیکن یہ عمارتوں کے نظر نہ آنے کا اسرار اب بھی سمجھ میں نہ آیا۔'' خان نے کہا۔

''یہ بیرونی دیواریں ایک ایسی ہی دھارت سے بنائی جاتی ہیں جو باہر سے آکسیجن کو

جذب کر کے اندر منتقل کرتی اور اندر سے نائٹروجن کو باہر خارج کرتی رہی ہے۔اسی مسلسل عمل کی وجہ سے باہر ایک دھندسی چھائی رہتی ہے، جس سے وہ نظر نہیں آتیں۔جس طرح پانی کی سطح سے ملا کر ایک شیشہ رکھ دیا جائے تو اس پر بھی پانی کا ہی دھوکہ ہوگا۔'' وہ یہ کہہ کر رک گیا۔

''کافی وقت لیا آپ کا۔اب اجازت دیجیے۔'' خان نے مزید گفتگو اس وقت غیر ضروری سمجھ کر خود کہا۔اسے دراصل سلازار کا مکتوب پڑھنے کی بیچینی ہو رہی تھی۔مارکوئس نے الوداعی انداز میں ہاتھ ملایا اور اسی دروازے میں چلا گیا، جو اس کی آمد کے وقت دیوار میں پیدا ہوا تھا۔دیوار برابر ہو گئی۔

شاید مریخ کے حساب سے رات ہو گئی تھی، کیونکہ جس گول کمرے میں انھیں پہنچایا گیا تھا، وہ روشنی سے معمور تھا۔روشنی کا انتظام چھت سے تھا۔چھت میں ایک سمت سے دوسری سمت تک روشنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں اور ان کے عکس سے کمرہ منور تھا۔ایک سمت کی دیوار کے نزدیک ہی چار گدے دار اسٹول رکھے جو ایک پیچ دار راڈ پر گھوم کر اونچے نیچے ہو سکتے تھے۔ان میں سے ہر ایک کے سامنے دیوار میں ایک چوکور ڈھکن سا لگا تھا، جس کے اوپر انگریزی میں لکھا تھا 'حسبِ خواہش' (as you wish)۔ہر چوکور خانے کے نیچے سات مختلف رنگوں کے سوئچ لگے تھے۔اس کمرے میں ایک بند دروازہ تھا جس کے باہر روشن الفاظ میں لکھا تھا 'اسٹیڈی'، دائیں کونے پر ایک بند دروازے پر روشنی سے لکھا تھا (Toilet)۔کمرہ کیا تھا، خاصا ہال تھا، جس کے درمیان میں قالین جیسی کوئی بہت ملائم چیز بچھی تھی۔دوسری طرف دیوار میں تقریباً آٹھ آٹھ فٹ کے فاصلے سے تین فٹ مربع کٹاؤ نظر آ رہے تھے، جن کے دائیں سمت گول ٹکلی کے ساتھ ایک ایک بٹن رکھا تھا۔اس بٹن کے نیچے باریک سے حروف میں لکھا تھا ''بیڈ''۔ دائیں سمت دیوار میں ایک بند کھڑکی سی فرش سے ملی نظر آ رہی تھی۔جس کے اوپر ایسا ہی بٹن لگا تھا اور اس پر لکھا تھا 'اگر ضرورت پڑے۔

''یہ آپ کی آرام گاہ ہے۔یہاں ہر چیز موجود ہے۔آپ جو چاہیں صرف بٹن دبا کر

طلب کر سکتے ہیں۔'' آرین نے خان سے کہا۔

''اے لو، سالا اجاڑ تو کمرہ پڑا ہے، کیا جنات لائیں گے سب۔'' شوکت نے ادھر ادھر دیکھ کر گویا اس کا مذاق اڑایا۔

''کیا چاہیے آپ کو؟''

''مجھے بھوت نیند آرئی ہے۔ یانی شبِ خوابی چاہیے۔'' شوکت نے منہ بنا کر فرمائش کی۔ پھر آرین مسکرا دی۔ اس نے دیوار میں لگا بیڈ کا ایک بٹن دبا دیا۔ فوراً دیوار کا وہ چوکور حصہ ایک پلنگ کے پتانے کے حصے کی طرح باہر نکلنے لگا اور پھر پوری پلنگ جو دونوں طرف چوکار تکیوں سے آراستہ تھی باہر نکل کر پھسلتی ہوئی دیوار سے دو فٹ اور نکل کر رک گئی۔

''واہ واہ، یہ ترکیب اچھی ہے سالی۔ میں بھی اپنی شبِ خوابی ویسی ہی بنواؤں گا۔'' شوکت خوش ہو کر بولا۔

''شبِ خوابی نہیں، خواب گاہ۔'' بالے نے اسے حسبِ عادت ٹوک دیا۔

''تم یار ہر وقت اپنی ہیڈ ماسٹری مت جھاڑا کرو۔'' شوکت برا مان گیا۔

''اچھا اگر پیٹ میں چوہے دوڑنے لگیں تو؟'' بالے نے بھی اس سے پوچھا۔

''وہ اسٹولوں کے سامنے جو بٹن لگے ہیں، وہ آپ کی مدد کریں گے۔''

''سن لو، بالے بھائی۔'' شوکت منہ بنا کر بالے سے آہستہ سے بولا۔ ''سالے بٹن اب اپنی مدد کریں گے۔''

''میں ابھی کچھ دیر میں حاضر ہوتی ہوں۔'' اس نے خان کے سامنے ادب سے ذرا جھک کر کہا پھر باری باری شوکت اور بالے پر مسکراہٹیں پھینکتی واپس چلی گئی۔

''یا راللہ قسم، ہپ...'' شوکت کہتے کہتے خان کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یانی بھوت نیک لڑکی ہے بیچاری۔ اللہ عمر دراز کرے۔'' اس نے جلدی سے لہجہ

بدل دیا۔خان مسکرا دیا۔

''یہ کسے دعائیں دی جا رہی ہیں،شوکت میاں؟''خان نے پوچھ لیا۔

''جی وہ آئی تھیں نا موتر ما پھلکھوری بیگم۔''شوکت سے اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''میں اسٹیڈی میں ہوں،تب تک تم لوگ آرام کی فکر کرو۔''خان یہ کہہ کر اسٹیڈی کے دروازے کی طرف چلا۔

''آپ وہ خاص بات ہمیں نہ بتائیں گے شاید؟''بالے نے خان کو ٹوک دیا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں وقت سے پہلے کچھ نہیں بتایا کرتا۔''خان یہ کہہ کر اسٹیڈی کا دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

''بالے بھائی،مجھے تو بھوک لگی ہے۔اللہ جانے خان صاحب کب برآمد ہوتے ہیں اب۔''شوکت نے بالے سے کہا۔

''یار آج تم نے زندگی میں ایک شاندار جملہ بولا ہے،یہ برآمد ہونے والا۔''

''تیل لینے گیا جملہ املا سالا،یاں تو پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں اور آپ سالے پڑے ہیں جملوں اور مملوں کے چکر میں۔''شوکت جل گیا۔

''تو ایک عدد بلی نگل جاؤ وہ سب چوہوں کو کھا لے گی۔''

''ہوشت۔لاحول ولاقوۃ۔تم ہی کھاتے ہو گے چوہے،بلی،کتے سالے،میاں خاں۔''

''تو آؤ،ہم ان اسٹولوں پر بیٹھ کر ٹرائی کریں۔''بالے نے اشارہ کیا۔

وہ ان کی طرف بڑھے۔اسٹول چار تھے۔ان میں سے دو پر وہ بیٹھ گئے۔شوکت اور آگے جھک کر بیٹھا۔

''بسم اللہ۔''بالے نے ایک بٹن دبا دیا۔

گھر گھراہٹ کی مدھم سی آواز ہوئی اور چند سیکنڈ بعد ہی کھٹکے سے وہ دیوار کا چوکور

ڈھکن اندر ہی ایک سمت ہٹ گیا۔اندر سے ایک بغیر انگلیوں والے فولادی ہاتھ پر رکھی ہوئی ایک ٹرے باہر نکل آئی، جس میں ایک کیتلی، دو پیالیاں اور ایک دودھ دانی ایک شکر دانی رکھی تھی۔

''دھت تیری کی۔اپنی قسمت میں شاید چاہے ہی لکھی ہے۔''

''میاں خان، اللہ شکر خورے کو شکر دیتا ہے اور موذی کو...'' یہ کہتے کہتے اس نے اپنے سامنے کے سات بٹنوں میں سے چھ نمبر کا بٹن دبا دیا۔گھر گھراہٹ کی آواز کے ساتھ دیوار کا ڈھکن کھلا اور اندر سے ایک فولادی ہاتھ نکل کر شوکت کے سینے پر پڑا۔وہ اسٹول پر سے الٹ گیا۔بالے کا قہقہہ چھوٹ گیا۔شوکت بگڑ کر اٹھا۔

''کون موذی ہے سالا، تم خود ہو گے۔'' شوکت اس کا مطلب سمجھ کر بولا۔

''چلو دو کا فیصلہ تو ہوا۔ایک نمبر سے چائے اور چھ نمبر سے گھونسے۔'' بالے ہنستا ہوا بولا۔مگر اس نے جھک کر اس پھیلی ہوئی فولادی ہتھیلی کو دیکھا تو وہاں انگریزی میں سنہرے حروف میں لکھا تھا۔

''جس چیز کی خواہش ہو لکھ کر یہاں رکھ دیجیے۔''

''تو یہ بات ہے۔یہ دراصل حسبِ خواہش والا معاملہ ہے۔'' بولے بولا۔

''تو منگاؤ نا کھانا۔سالے نے گھونسا تو مارا ہے۔'' شوکت نے فرمائش کی۔

بالے نے جیب سے ایک کاغذ کا پرزہ نکال کر اس پر انگریزی میں لکھا۔

''براہِ کرم ایک آدمی اور ایک بھینسے کا کھانا بھیج دیجیے۔''

''دونوں کا لکھا ہے نا، میاں خاں؟'' شوکت نے پوچھا۔

''ہاں۔میں نے لکھا ہے ایک سنگل ایک ڈبل خوراک بھیجو۔''

پرزہ اس ہاتھ پر رکھتے ہی وہ جھٹکے سے اندر چلا گیا۔کھڑکی بند ہو گئی، مگر چند سیکنڈ بعد ہی پھر کھلی اور وہی خالی ہتھیلی باہر نکلی۔اس پر ایک زرد رنگ کا سخت سا کاغذ کا پرزہ رکھا تھا، جس پر

Akram Allahabadi

لکھا تھا۔ ’’تیسرا بٹن دبایئے۔‘‘

’’اور لو، سالی مشین آرڈر بھی دیتی ہے۔‘‘ شوکت بڑبڑایا۔

بالے نے چوتھا بٹن دبا دیا، جس کے چند سیکنڈ کے بعد ہی سامنے کا ڈھکن پھر کھلا اور اس بار اس میں سے ایک ٹرے نکلی جس پر کئی طشتریاں رکھی ہوئی تھیں اور ان میں حلوے جیسے نرم نرم اور کئی رنگ کے قتلے چنے ہوئے تھے۔ ایک گلاس میں گلابی سیال رکھا تھا۔

’’معلوم ہوتا ہے یہی یہاں کا بہترین کھانا ہے۔‘‘ بالے نے منہ بنا کر کہا۔ اور پھر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے بتانے پر شوکت نے بھی چار نمبر کا بٹن دبا دیا۔ ساتھ اس نے آواز بھی لگائی۔

’’یار میزبان صاحب، میرے لیے تو بریانی مریانی اور مرغ مسلم بھیجنا۔‘‘

مگر آیا تو وہی جو بالے کیلیے آیا تھا۔ شوکت منہ بنانے لگا، مگر جب اس نے بالے کو بڑے شوق سے اسے کھاتے دیکھا تو وہ بھی شروع ہو گیا۔ بہت لذیذ تھیں یہ چیزیں جب انھوں نے واپس ٹرے ان ہتھیلیوں پر رکھی تو وہ اندر غائب ہو گئیں۔ دیوار کا خلاء پر ہو گیا۔ وہ دونوں اٹھ کر ٹوئلٹ روم میں جا ہی رہے تھے کہ بالے کی نظر اس مقام پر پڑ گئی جہاں لکھا تھا، ’اگر ضرورت ہو تو‘۔ چنانچہ اس نے اس کا بٹن بھی دبا دیا۔ فوراً دیوار میں کھڑکی پیدا ہو گئی، مگر اس میں ایک سنہری جالی لگی تھی، جس سے نکل کر مدھم مدھم موسیقی کی گونج کمرے میں پھیلنے لگی۔ پھر اس میں سے ایک کھنکتی ہوئی نسوانی آواز آئی۔

’’کونسا نغمہ، کونسی زبان میں سنیں گے آپ؟‘‘

’’ارے واہ، یہ تو سالا فرمائشی پروگرام مالوم ہوتا ہے۔‘‘ شوکت نے چونک کر کہا۔

’’ہم زمین کی کسی ہندی فلم کا کوئی تازہ گیت سننا چاہتے ہیں۔‘‘ بالے نے جالی کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

’’حاضر ہے فلم اسپتنک کا گانا، چاند سورج کے دیش میں۔‘‘

Akram Allahabadi

یہ کہتی ہوئی وہ آواز موسیقی کی تیز ہوتی لہروں میں ڈوب گئی اور کسی ہندوستانی فلم کے گانے کی دھن سنائی دینے لگی، جس کے بعد ہی بول بھی شروع ہو گئے۔ یہ گانا ان کیلیے نیا تھا، مگر کیونکہ اپنی دنیا اور اپنے وطن کے یاد دلاتا تھا، اس لیے انھیں بہت بھلا معلوم ہوا۔ ان کے دل وطن کی یاد میں تڑپ اٹھے۔ بالے اور شوکت دونوں کو ایک ساتھ وہ حسین لڑکیاں یاد آ گئیں، جن سے وہ کلبوں اور پروگراموں میں مل چکے تھے۔ وہ عالمِ محویت میں ہاتھ دھونا بھی بھول گئے، جس کیلیے وہ ٹوائلٹ روم میں جا رہے تھے۔ اسی وقت اسٹیڈی روم کا دروازہ کھلا اور خان نکلا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے ناگوار موڈ میں پوچھا۔ وہ دونوں چونک پڑے۔

"ہم لتا منگیشکر کے گانے سن رہے تھے کرۂ زمین سے۔" شوکت جلدی سے بولا۔

لیکن بالے نے دیکھا خان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، جیسے وہ اندر سے غم و غصے کی کیفیت میں مبتلا ہو۔ وہ کاغذات اس کی مٹھی میں دبے ہوئے تھے۔

"آخر بات کیا ہے؟" بالے نے دوبارہ اس دیوار کا بٹن دباتے ہوئے کہا، جس سے موسیقی بند ہو گئی اور جالی کو پھر دیوار کے کورنے ڈھانک لیا۔

"ہم آرام نہیں کریں گے۔" خان نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"تو پھر کیا واپس چل رہے ہیں؟" بالے نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں، ہمیں ایک خطرناک مہم پر روانہ ہونا ہے۔" خان نے کہا۔

"باپ رے، یہاں بھی مہم۔ تو گویا ابھی تک بڑے آرام کی گزار رہے تھے۔"

"جس زندگی میں ایڈونچر نہ ہوں، وہ جانوروں کی سی زندگی ہوا کرتی ہے۔" خان نے کہا۔

"باز آئے ایسے ایڈونچر سے۔ آپ تو ہمیں کسی جانوروں کے اسپتال میں داخل کرا دیجیے۔" بالے دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔

"جیاں، ہمیں تو چڑیا گھر میں ڈلوا دیجیے۔ یہ سالے مریخی لوگ بھوت خطرناک مالوم

ہوتے ہیں۔"

"گھبراؤ نہیں، یہاں نکموں کو ایسے علاقوں مین پھینک دیا جاتا ہے جہاں آدمی بھی جم کر پتھر ہو جاتے ہیں۔ میں مارکوئس سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔"

"کیا خیال ہے، شوکت بھائی؟" بالے نے شوکت سے پوچھا۔

"اے لو، تو پتھر کون بنے گا سالا۔ چلو اب تو وئی بات ہو گئی کہ زور آور خاں ماریں اور سالے کو رونے بھی نہیں دیں۔"

"اس اجنبی اور اسرار بھری دنیا میں ہم کیا مہم سر کر سکیں گے؟" بالے نے خان سے کہا۔

"انسان کی بلند ہمتی نے ہی اسے یہاں تک پہنچایا ہے، پھر ہم کیوں کچھ نہیں کر سکتے۔" خان اعتماد بھرے لہجے میں بولا۔

"لیکن یہ مہماندار ی میں اچانک مہم کہاں سے گھس پڑی۔"

"لو یہ پڑھ لو، مگر خبردار کہیں اس بارے میں تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی باہر نکلے۔" خان نے کاغذات بالے کو دیے اور خود ٹوائلٹ روم میں چلا گیا۔ بالے نے کھول کر دیکھا، ایک سلازار کا خط تھا۔ ایک مریخ کا نقشہ تھا۔ وہ کاغذات دوسرے تھے۔ سلازار نے لکھا تھا۔

ڈیئر خان

میں نے تمہیں مریخ کی سیر کرانے کا وعدہ دیا تھا، لیکن بدقسمتی سے میں تمہیں ایسے وقت بلوا رہا ہوں جب تمہیں حالات کچھ خوشگوار نہیں ملیں گے۔ ایک دوست کی حیثیت سے میں نے اگر کسی کو اعتماد کے لائق سمجھا ہے، تو وہ تم ہو۔ اس لیے میں مریخ کا ایک ایسا راز تمہارے سپرد کر رہا ہوں جس پر اس سیارے کے سلامتی اور مستقبل کا دارومدار ہے۔ مجھے امید نہیں کہ تمہارے پہنچنے تک میں تمہارا انتظار کر سکوں گا۔ کب کیا ہو جائے یہ میں خود نہیں جانتا۔

Akram Allahabadi

بہر حال جو کاغذات میں تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ان سے تمہیں وہ خطرناک راز معلوم ہو جائے گا جو میرے لیے ان عجیب اور غیر متوقع حالات کا سبب بنا ہے۔اگر اس سلسلے میں کچھ کر سکو تب ہی قدم بڑھانا، ورنہ تمہارے ایک لفظ پہ مارکوئس تمہاری واپسی کا انتظام کر دیں گے۔

ہماری ملاقات کا انحصار اس پر اسرار سلسلے کے خاتمے پر ہی منحصر ہے۔فقط تمہارا دوست،

الوکلو تھا سلا زار

اس خط کے ساتھ مریخ کا ایک نقشہ تھا، جس پر ایک سمت تین دائرے اور دوسری طرف چار دائرے بنے تھے اور بیچ بیچ میں دہری متوازی لائنیں کھنچی ہوئی تھیں۔ان دائروں پر علیحدہ علیحدہ نمبر لکھے تھے۔ایک پر سکٹ ون ڈی 200 پی لکھا تھا، دوسرے پر سکٹ ٹو ڈی P35، تیسرے پر سکٹ تھری ڈی زیرو پی، چوتھے پر سکٹ فور ڈی P100، پانچویں پر سکٹ فاؤ ڈی بلو زیرو پی، چھٹے پر سکٹ سکس ڈی بلو زیرو ڈی 100 پی اور ساتویں پر سکٹ سیون بلو زیرو ڈی 200 پی، لکھا تھا۔

ان دائروں میں سے ۵، ۶ اور ۷ نمبر کے دائروں کے درمیان سبز علاقے تھے۔۵ اور ۷ نمبر کی سکٹر مریخ کے قطبین کی طرف تھے۔متوازی لکیریں زیادہ تر نمبر ایک دو اور تین سکٹروں کے درمیان دوڑ رہی تھیں۔شاید یہی مریخ کی عظیم نہریں تھیں جنھیں کرۂ ارض کے مشاہدین فلکیات نے طاقتور دوربینوں سے دیکھا تھا جن کی تصویریں بھی لی گئی تھیں۔خان نے یہ اندازہ اس لیے لگا لیا کہ یہ نہریں ان سکٹروں کے درمیان سے گزر رہی تھیں، جو یا تو حیاتِ انسانی کیلیے نا قابلِ برداشت اونچا ٹمپریچر رکھتے تھے، یا پھر اوسط سے کافی گرا ہوا۔اور ان نمبروں کا اجراء ان علاقوں سے معلوم ہوتا تھا جو نقطۂ انجماد کی حد تک یا اس سے زیادہ سرد تھے۔ مارکوئس نے کیونکہ سکٹر فور کے بارے میں بتایا تھا کہ یہاں مخلوق کی ضرورتِ زندگی کے مطابق یہاں نارمل ٹمپریچر، یعنی سو ڈگری رکھا گیا ہے، اس لیے یقیناً دوسرے تمام دائرون میں جو ڈی کے بعد کے اعداد دیے ہوئے تھے وہ یقیناً ان علاقوں کے اوسط ٹمپریچر ہی بتاتے تھے۔اس سے

Akram Allahabadi

مارکوئس کے اشارے کی بھی تصدیق ہوتی تھی کہ ہر سکٹر اپنے اندر عجائبات اور مختلف مخلوقیں رکھتا ہے۔اس نقشے سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ سیارہ مریخ کس قدر پراسرار رحالات سے معمور ہے، لیکن ان کاغذات میں وہ کاغذات نہیں تھے جن کا حوالہ سلازار نے اپنے مکتوب میں دیا تھا۔ خان نے شاید ابھی اس اہم ترین راز سے متعلق انھیں اپنے اعتماد میں لینا مناسب نہیں سمجھا تھا، اس لیے ان کے متعلق بالے کو کچھ پوچھنے کی جرأت بھی نہ ہوئی۔

''یہ سالا نقشا خسا کائے کا ہے؟''شوکت اسے اتنی غور سے نقشہ دیکھتے پا کر بولا۔

''مریخ میں سات جگہ بہت بڑے بڑے خزانے دفن ہیں۔یہ دائرے ان کے ہی نشانات ہیں۔''بالے نے ایس اڑایا۔

''اے لو،تو اپن یاں کیا خزانے مزانے کے چکر میں آئے ہیں۔''

''یہ تو خان صاحب جانیں۔''بالے نے کہا۔

''ہوشت۔اللہ کا دیا لیا کم تھا کیا اپنے پاس۔''شوکت کو برا لگا۔

''ایک بات اور بھی ہے۔''بالے رازدارانہ لہجے میں بولا۔

''کیا؟''شوکت نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''خان صاحب اصل میں یہاں چراغ الہ دین تلاش کرنے آئے ہیں۔''بالے نے سرگوشی کرتے ہوئے بتایا۔

''یانی وہ دیو کا چراغ،یانی جس کو گھسنے پر دیو آتا تھا اور ہر حکم بجا لاتا تھا۔''شوکت نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں وہی۔چین کے مورخ چائے مائے لاؤ نے اپنی ہسٹری آف چراغ الہ دین میں لکھا ہے کہ الہ دین کی موت پر چراغ کا دیو چراغ کو لے کر فرار ہو گیا تھا۔زمین پر تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ لگ جاتا،اس لیے اس نے آسمانوں میں سوراخ تلاش کرنے کی کوشش کی اور جب وہ مریخ کے پاس سے گزر رہا تھا اس وقت اس سیارے کو حضرت آدم کے دم قدم سے

پاک دیکھ کر وہ یہیں اتر پڑا اور مریخ کے ہی کسی غار میں اس چراغ کو چھپا کر اس نے الہ دین کے نام پر فاتحہ خوانی کی اور مریخ کے جانوروں کو اس کی نگرانی پر مقرر کر کے غائب ہو گیا۔" بالے نے لمبی چوڑی تمہید کی۔

"ابے جاؤ خاں، وہ سالا دیو کیا خان صاحب کے کان میں بول گیا تھا کہ میں نے مریخ پے چھپایا ہے چراغ؟" شوکت نے اعتراض کیا۔ بات تو معقول تھی، مگر بالے کب پیچھے رہنے والا تھا۔

"یار تم بھی اینٹی فلوجینٹین قسم کے آدمی ہو۔ دیو کیا اپنی موت کا راستہ دکھاتا پھرے گا کسی کو۔ وہ تو خاں صاحب کے پیر و مرشد نے خواب میں آ کر انھیں بشارت دی تھی کہ "بیٹا، کیونکہ تم نے دنیا میں بہت شاندار کام کیے ہیں، اس لیے میں تم کو الہ دین کا چراغ بخشتا ہوں تا کہ اس کے دیو کی مدد سے تم خلقِ خدا کی خدمت کرو اور شہزادی بدرالبدر سے شادی کر کے باقی زندگی عیش و آرام میں گزارو۔"

"ہوشت۔ شہزادی بدرالبدر کہاں سے آ گئی سالی اس زمانے میں؟" شوکت کو بات جچی نہیں۔

"آپ گدھے ہیں پورے، جب شہزادی مارگریٹ ہو سکتی ہے تو شہزادی بدرالبدر کیوں نہیں ہو سکتی اس زمانے میں۔" بالے نے بحث کی۔

"میں نے تو نہیں سنا۔"

"تم کوئی ساری دنیا کا جغرافیہ ہو۔ تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اونٹ کی دم کدھر ہوتی ہے۔"

"ابے جاؤ، ہوتی کدھر ہے، پیچھے ہوتی ہے۔"

"تو پھر شہزادی بدرالبدر بھی ہوتی ہے۔"

"تو سچ مچ خان صاحب چراغ الہ دین ڈھونڈنے آئے ہیں؟"

Akram Allahabadi

''ہاں، مگر کسی سے کہنا نہیں۔ انھوں نے مجھ سے قسم لے لی تھی کہ کسی کو بتاؤں نہیں۔''

''تو پھر سلازار کا کیا معاملہ ہے؟''

''وہ تو یوں ہی دوسروں کو بے وقوف بنانے کیلیے۔ سلازار کوئی ہوتا تو ملتا نا ہمیں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' شوکت کی کھوپڑی میں بات آ گئی۔

''سوچ لو، خاں صاحب کو چراغ الہ دین مل گیا تو اپنی عید ہو جائے گی۔''

''اللہ کرے مل جائے سالا۔'' شوکت نے خوش ہو کر کہا۔

اتنے میں خان واپس آ گیا۔ شوکت اور بالے دونوں خاموش ہو گئے۔

''کیا تم لوگوں کو بھوک محسوس ہو رہی ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''ہم کھا چکے ہیں۔'' بالے نے کہا۔

خان کو جیسے طریقہ معلوم ہی ہو، وہ ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ اس نے پہلے بٹن کو دبایا، چائے آئی۔ وہ اس نے واپس کر دی۔ دوسرا دبایا تو کافی آ گئی، وہ بھی اس نے واپس کر دی۔ تیسرا دبایا تو ناشتہ آیا، اسے بھی لوٹا کر جب چوتھا دبایا تو کھانے کا طشت آ گیا۔ اسے واپس کرنے پر پانچواں بٹن دبایا تو پھلوں کی پلیٹ آ گئی۔ یہ مریخ کے کٹے ہوئے پھل تھے جن سے عجیب سی خوشبو آ رہی تھی۔ اسے واپس کیا تو چھٹا بٹن دبانے پر ہتھیلی پر لکھا ہوا ملا، جس چیز کی خواہش ہو، لکھ کر یہاں رکھ دیجیے۔ خان نے اس سے بھی کام نہ لیا اور ساتواں بٹن دبایا جس سے اب کی بار پھر کھانے کا طشت نکل پڑا۔ طشت کے سرے پر لکھا تھا Super۔

''آپ شاید صرف سونگھ سونگھ کر پیٹ بھر رہے ہیں۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''میں اپنی پسند کی چیز ڈھونڈھ رہا تھا، بہر حال اس کا ذریعہ بھی موجود ہے۔'' یہ کہہ کر خان نے پھر ۶ نمبر کا بٹن دبایا اور جب اگلی ہتھیلی سامنے آئی تو اس پر ایک کاغذ کا پرزہ لکھ کر رکھ دیا۔ ''بھنا ہوا گوشت ہے؟'' ہتھیلی واپس چلی گئی۔

دو چار سیکنڈ کے بعد ہی ڈھکن پھر کھلا اور اس پر ہتھیلی پر ایک قاب میں رکھا ہوا بھنا ہوا گوشت سامنے آیا۔ اس کی خوشبو سے بالے اور شوکت کے منہ میں بھی پانی آ گیا۔

جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہو کر خان ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''صرف چند گھنٹے آرام کر لو، پھر ہمارے لیے خطرناک اور غیر متوقع حالات کا ایک دور شروع ہو سکتا ہے۔'' وہ ان سے بولا۔ شوکت نے اس وقت معنی خیز نظروں سے بالے کی طرف دیکھا اور بالے مسکرا کر رہ گیا۔

دو بٹن اور دبائے گئے تو پچھلی دیوار سے دو پلنگ نکل آئے۔ ان کے گدے ایسے ملائم تھے کہ ان پر لیٹ کر بدن پانی کی آغوش میں محسوس ہوتا تھا۔

خان نے چھت کی طرف رخ کر کے مارکوئس کو مخاطب کیا۔

''معزز مارکوئس، میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

چند لمحوں کے بعد ہی کمرے میں ایک کھنک سی سنائی دی اور مارکوئس کی آواز گونجنے لگی۔

''ٹھہریے، میں خود آتا ہوں۔'' مارکوئس کا جواب ملا۔

خان خاموشی سے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔

ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دیوار کا بند دروازہ کھلا اور مارکوئس کس قدر گھبرایا ہوا سا اندر داخل ہوا۔ خان اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں خود بھی آپ سے ملنے والا تھا۔'' وہ آتے ہی بولا۔

''کیوں، کوئی بات ہو گئی ہے کیا؟''

''شاید سلازار کو خبر ہو گئی ہے کیا۔'' وہ گھبرایا ہوا سا بولا۔

''سلازار کو۔'' خان نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، آپ سمجھ سکتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''پھر۔''

''میں اس سے پہلے آپ لوگوں کو اس سکٹ سے باہر کر دینا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''میں بھی یہ کام پہلے باہر سے ہی شروع کرنا چاہتا تھا۔'' خان بولا۔

''آپ لوگ خدارا تیار ہو جایئے، میں نے انتظام کر دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ سلازار کوئی قدم اٹھائے، آپ کو اس سکٹ کی حدود سے نکل جانا چاہیے۔'' وہ کہنے لگا۔

لیکن اسی وقت مارکوئس کا منہ فق ہو گیا، جب اسے کمرے میں بہت باریک سی سیٹی جیسی آواز پیدا ہوتی معلوم ہوئی جو بتدریج تیز ہوتی گئی اور ایسا معلوم ہوا جیسے ایک ساتھ بہت سی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ مسلسل اور بڑی تیزی کے ساتھ بالے اور شوکت بھی بستر سے اٹھ بیٹھے تھے اور وہ سب حیران حیران سے اس آواز کو سن رہے تھے، جو بتدریج تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پھر خان چونک پڑا۔ کیونکہ ان کے سامنے ہی ٹھوس دیوار پر ایک مدھم سی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ جیسے وہ دیوار کے اندر سے پھوٹ کر باہر نکل رہی ہو۔ یہ روشنی تیز ہونے لگی۔ اس کا پھیلاؤ بیضوی شکل میں فرش سے اوپر کی طرف تھا۔ اور پھر جیسے دیوار سے پھوٹتے پھوٹتے اتنی تیز ہو گئی کہ نظریں خیرہ ہو گئیں۔ انھیں اس روشنی کے جھماکے سے ایک بہت روشن انسانی خاکہ ابھرتا نظر آیا، جیسے وہ اس روشنی سے پیدا ہوا ہو۔ یہ خاکہ مکمل ہوتا چلا گیا۔ اس میں انسانی جسم کے ابھار نمایاں ہوئے اور پھر وہ اپنی مکمل شکل کے ساتھ ان کے سامنے موجود تھا۔

ڈاکٹر سلازار، مریخ کا یہ مقتدر اعلیٰ، کرۂ ارض کا عظیم ترین سائنسداں جس نے اپنی امین کے سنسانوں کی ایک دورے پر اقتدار حاصل کرنے کی ایک دوسرے کو غلام بنانے اور ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی خودغرضانہ ذہنیت سے تنگ آ کر نظامِ شمسی کے چوتھے سیارے پر اپنی ایک نئی دنیا بسائی تھی۔ وہ حیرتناک سائنسداں جس نے زمین پر حملہ آور ہونے والے وینسیوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ مردانہ حسن کا وہ شاہکار جس نے اپنی جوانی اور اپنے مردانہ حسن کیلیے ابدیت حاصل کر لی تھی اور جس کی ایک نگہِ التفات پر قربان ہونے کیلیے دنیا کی

حسین سے حسین عورت بھی تھا رتھی ۔وہ ایک زندہ جادو تھا، لیکن اس حسین صورت کے ساتھ اس کی لازوال تندرستی اس کا بے مثال اخلاق اور اس کی اعلیٰ ظرفی ان تمام خصوصیتوں نے اسے پر پہلو سے انسانی عظمت کا ایک شاہکار بنادیا تھا۔وہی سلازار جن کی عجیب وغریب سائنسی ایجادوں پر معجزات کا دھوکہ ہوتا تھا۔

وہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔مارکوئس کے چہرے کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔اس کی آنکھوں میں اس وقت ایک مایوس کن کیفیت طاری تھی۔

لیکن خان اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور سلازار خاں کو۔بالے اور شوکت آنکھیں پھاڑے منہ کھولے کھڑے تھے۔خان نے کبھی سلازار کو اس قدر سنجیدہ اتنا پراسرار نہیں دیکھ اتھا۔خان کو گھورتا ہوا وہ آگے بڑھنے لگا۔مارکوئس یہ دیکھ کر ہمت کر کے آگے بڑھا اور تعظیمی سر جھکا کر اس سے مخاطب ہوا۔

''موسیو سلازار، یہ کرۂ ارض کے خلاء پیما ہیں۔راہ بھٹک کر مریخ پر آپہنچے تھے۔'' وہ خان اسراس کے ساتھیوں کا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

''تعجب ہے کہ تمہیں میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت کیسے ہوئی۔'' سلازار نے مارکوئس کی طرف گھور کر دیکھا۔مارکوئس سر سے پیر لرز اٹھا۔''یہ میرے دوست سپرنٹنڈنٹ خان ہیں اور یہ لوگ ان کے ساتھی۔'' پھر وہ اچانک خان کی طرف گھوم کر مسکرا دیا۔''آپ تو اس طرح مجھے دیکھ رہے ہیں جیسے آپ خان نہیں یا میں سلازار نہیں۔'' وہ خان کے بالکل قریب آگیا۔خان مسکرا دیا۔

''میں بھی یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ مجھے بھولے یا نہیں۔میں خیر بھول ہی نہیں سکتا ایسی عظیم ہستی کو۔'' خان نے مصافحے کیلیے ہاتھ بڑھایا۔

''بہت عرصہ قبل میں نے آپ کو مریخ پر مہمان بلانے کا پروگرام بنایا تھا، لیکن عمل کرنے کا وقت نہیں مل سکا۔بہر حال میری ایسی غفلت سے فائدہ اٹھا کر شاید مارکوئس نے

سازش کر ڈالی ہے۔"

"سازش؟" خان چونکا۔

"ہاں، آپ کو جو کچھ سمجھایا گیا ہے وہ اس کے دماغ کی اختراع تھی۔ یہ وقت خاص ہے۔ اور ایک عرصے سے مجھے ختم کرانے کے خواب دیکھ رہا ہے، تا کہ مریخ پر یہ ڈکٹیٹر بن سکے۔" وہ مارکوئس کو گھورتے ہوئے خان سے بولا۔

"مگر آپ تو ابدیت حاصل کر چکے ہیں؟"

"ہاں، مگر ایک بار آپ کے تذکرے کے ساتھ میں نے اس سے باتوں باتوں میں کہہ دیا تھا کہ زمین پر ایک ذہین آدمی ایسا ہے جو مجھے بہت قریب سے جانتا ہے۔ صرف وہی اگر میرا دشمن بن جائے تو مجھے نقصان پہنچانے کے طریقے تلاش کر سکتا ہے۔" سلازار نے بتایا۔

بالے اور شوکت مبہوت کھڑے تھے۔ وہ سلازار کے دمکتے ہوئے حسین چہرے کو تعجب کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بالے تو خود کو اس کے سامنے ایک حقیر ذرے کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ اس بتِ حور کی جو اسے دیکھ کر پاگل نہ ہوا تھے۔ مارکوئس کے ہاتھ بھی کانپنے لگے۔ وہ ایک گھٹنے پر جھک گیا۔

"موسیو سلازار، میں معافی چاہتا ہوں۔ میں شرمندہ ہوں۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

بالے، شاکت اور خان حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ خان کا دماغ چکرا گیا۔ تو کیا یہ کاغذات مارکوئس کی گفتگو سب کچھ ایک فراڈ تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ کاغذات سلازار کے سامنے کر دے مگر پھر اسے اس بوڑھے پر رحم آ گیا۔

"میں بھی سفارش کروں گا کہ اس بوڑھے آدمی کو معاف کر دیا جائے۔" خان نے مارکوئس کی کیفیت دیکھتے ہوئے سلازار سے کہا۔

"میں اپنے مہمان کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ مارکوئس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔" سلازار نے اتنا کہا اور اپنے سینے پر لگے ہوئے بٹن کو گھمایا۔ ایک سیکنڈ بعد ہی

Akram Allahabadi

دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور خان نے دیکھا دروازے پر دو روبوٹ کھڑے تھے۔ان کی ساخت انسانی ساخت سے ذرا مختلف تھی۔قد تقریباً سات فٹ کے تھے سر چوکور تھے اور ٹانگیں موٹی۔ان کے سینوں پر کنٹرول بکس لگے ہوئے تھے اور سروں پر چھوٹے چھوٹے آئینے۔وہ فوراً اندر آ گئے۔سلازار نے مارکوئس کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے۔مارکوئس نے ایک نظر خان کی طرف دیکھا پھر سر جھکا کر ان روبوٹس کے درمیان چلتا ہوا باہر نکل گیا۔سلازار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔اس نے ان کی طرف باری باری دیکھا۔

''آپ اب سلازار کے مہمان ہیں۔''ی کہہ کر اس نے اپنے سینے کے بیلٹ میں لگا ہوا دوسرا بٹن دبا دیا۔خان نے دیکھا وہ بٹن سرخ ہو کر بجھ گیا۔دو سیکنڈ بعد دروازہ دوبارہ کھلا اور چار مریخی محافظ اندر آ پہنچے۔وہ دائیں بائیں ہٹ کر اٹینشن کھڑے ہو گئے۔تب ایک نیلی وردی والا بھاری تن وتوش کا آدمی اندر داخل ہوا۔اس کے سینے پر کسی تیز چمکیلی نیلے رنگ کی دھات کا خول چڑھا ہوا تھا،سر پر ایک سنہری بیلٹ تھی جس کے دوسرے دونوں کانوں کے پاس کنپٹی سے آ کر چپک گئے تھے۔اس کی کمر میں ایک ریز گن لٹک رہی تھی،ویسی ہی جیسی خان وینس پر دیکھ چکا تھا۔ساخت ذرا مختلف تھی۔وہ ادب سے سلازار کے سامنے ایک گھٹنے پر جھک گیا۔

''ہمارے مہمانوں کو قصرِ بالا میں عزت کے ساتھ لے جاؤ۔''سلازار نے حکم دیا، پھر خان سے کہا۔''میں آپ سے وہیں ملوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹا اور اس نے سینے پر بیج بیلٹ میں لگا ہوا ایک نیلے رنگ کا بٹن جو دوسرے بٹنوں سے بڑا تھا دائیں سمت گھما دیا۔اس کے سینے سے روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور اس کے چاروں طرف تیز سفید روشنی پھیل گئی،جو اور تیز ہوتی گئی،پھیلتی گئی،یہاں تک کہ سلازار کا وجود سفید نور سے ایک دہکتے ہوئے خاکے کی طرح نظر آنے لگا۔یہ روشنی اس خاکے سمیت دیوار کی طرف سمٹ رہی تھی۔پھر وہ خاکہ بھی نظر نہیں آیا،بلکہ روشنی کا پھیلاؤ اتنا تیز روشن ہو گیا کہ ان

کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ لمحے بھر بعد وہ روشنی جیسے اس دیوار میں جذب ہونے لگی۔ پھیکی پڑتے پڑتے وہ ایک دھندلے عکس کی طرح دیوار پر چمکی اور معدوم ہو گئی۔ اس وقت تک نیلی وردی والا آفیسر ایک گھٹنے پر ہی ادب سے جھکا رہا۔ جب سلازار چلا گیا تو وہ اٹھا اور بڑے ادب سے مہمانوں سے مخاطب ہوا۔

''تشریف لے چلیے۔'' وہ بولا

خان نے بالے اور شوکت کو اشارہ کیا۔ دونوں ساتھ ہو لیے۔ آگے آگے وہ آفیسر ان کی رہنمائی کر رہا تھا اور چاروں محافظ ان کے پیچھے تھے۔

''اللہ جانے وہ سالی پری بیگم کاں غائب ہو گئیں۔ کیا نام ہے آئرین مائرین۔'' شوکت نے بالے کو کہنی مار کر کہا۔

''یہ سب طلسمی کارخانہ ہے، شوکت بھائی۔ چراغ الہ دین یوں ہی تھوڑی مل جائے گا۔'' بالے نے ان سے کہا۔

''ہوشت۔ وہ سلازار خان بھی تو آئے تھے، تمہارا بنڈل تو انھیں مالوم ہو گیا۔'' شوکت بولا۔

''اچھا تو اس میں کیا ہے، نائی جی نائی جی، بال کتنے؟''

''تم خود نائی جی بلکہ بائی جی، نائی جی اور حلوائی جی بھی۔'' شوکت کو غصہ آ گیا۔

مگر جب خان نے ان کو پلٹ کر گھورا تو دونوں چپ رہ گئے۔

انھیں ایک بڑے ہال سے گزار کر ایک ایسے دالان میں لایا گیا جہاں بہت اونچی چھت لمبے لمبے گول ستونوں پر کھڑی تھی۔ یہ ستون بھی روشن تھے درمیان سے سیڑھیوں کا سلسلہ نیچے تک چلا گیا تھا۔ سیڑھیاں تقریباً دو سو فٹ کے پھیلاؤ میں تھیں۔ اور نیچے دور تک گئی تھی۔ یہاں سے انھیں باہر کا نقشہ نظر آیا۔ خدا جانے یہ دن تھا یا رات، کیونکہ ایک صبح جیسا اجالا ہر طرف پھیلا تھا۔ اس ایوان کے سامنے ایک چوڑا سا میدان تھا، جس کے درمیان میں

ایک چبوترہ تھا اور اس کے درمیان ایک مجسمہ کھڑا تھا۔ یہ مجسمہ کافی بڑا اور اونچائی میں اندازاً تیس فٹ رہا ہوگا۔ اس کا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا اور دوسرا سامنے کی طرف۔ اس کے نیچے روشن جلی حروف میں انگریزی میں لکھا تھا، (ARISTOLE) اور انگریزی کے نیچے کوئی ایسی زبان لکھی تھی جو ان لوگوں کی سمجھ سے باہر کی چیز تھی۔ ممکن ہے وہ مقامی زبان رہی ہوگی۔ ارسطو کا مجسمہ یہاں دیکھ کر خان کو بڑی حیرت ہوئی، مگر پھر سلازار کی بلند مذاقی اسے یاد آ گئی اور یہ بھی کہ سلازار علمِ تاریخ فلسفہ منطق سائنس نفسیات غرض کہ ہر علم پر عبور رکھتا تھا اور اس نے ہمیشہ قابلِ قدر ہستیوں کی قدر کی تھی۔

''یہ کون خان ہے، بالے بھائی؟'' شوکت نے مجسمے کے بارے میں بالے سے پوچھا۔

''ارسطو کا مجسمہ ہے۔'' بالے نے منہ بنا کر کہا۔

''اے لو، یہ ارسطو مرسطویاں کاں سے ٹپک پڑے۔''

''آسمان سے۔'' بالے بولا۔ شوکت لاجواب ہو کر خاموش ہو رہا۔

انھیں مریخی محافظ نیچے بھی کھڑے نظر آئے۔ جو پرا باندھے کھڑے تھے۔ ان کے رہبر نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ خان دوسری سیڑھی پر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ بالے بھی آ گیا۔ شوکت جھونک میں دو سیڑھیاں نیچے اتر گیا۔ اسی وقت آپ سے آپ سیڑھیاں نیچے کی طرف چل پڑیں۔ وہ اسی طرح کھڑے رہ گئے۔ مگر شوکت لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ اسے گرتے دیکھ کر نیچے موجود مریخی محافظ دوڑ پڑے۔ انھوں نے جلدی سے اسے سنبھال لیا۔ اتنے میں خان اور بالے کی سیڑھی بھی نیچے آ کر تھم گئی اور وہ اتر پڑے۔

''شوکت میاں، جلد بازی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوا کرتا۔'' خان ہنس کر بولا۔

''مجھے کیا معلوم تھا کہ سالی چلتی پھرتی سیڑھیاں ہیں۔'' شوکت منہ پھلا کر بولا۔

مریخی محافظ مہمانوں کے استقبال کیلیے پرا باندھ کر اٹینشن کھڑے ہو گئے تھے اور نہ

جانے کہاں سے اس وقت مدھم مدھم موسیقی کی لہریں سنائی دینے لگیں۔

"یہ ہمارا استقبالی بینڈ ہے۔" اس آفیسر نے خان سے کہا۔

"مریخ کی سرزمین آپ کو خوش آمدید کہہ رہی ہے۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔" خان نے ساتھیوں کی طرف سے جواب دیا۔

"شخص نہیں، پتھر ہے۔ سالی جادونگری میں لا کر پھنسا دیا۔" شوکت بڑبڑایا۔

مگر جب بالے نے اس کا پیر دبایا تو وہ سٹپٹا کر چپ ہو رہا۔

اس نیلی وردی والے آفیسر نے ہاتھ ہلایا۔ اسی وقت مشرقی سمت سے ایک زناٹے کی آواز ہوئی اور چشم زدن میں ایک خوشنما سی چیز برق جیسی رفتار سے دوڑتی سامنے آ کر رک گئی۔ اس کی شکل ایک ہنس کی جیسی تھی۔ پیٹھ کا حصہ کھلا ہوا تھا، جس پر ایک شیشے جیسا غلاف چڑھا تھا۔ یہ گاڑی اس قدر خوشنما تھی کہ وہ اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ سفید دودھ جیسا رنگ اور اس پر باریک نیلی دھاریاں پڑی تھیں۔

اس کے دونوں طرف کے پر پرندوں کی طرح کھل گئے۔

"تشریف رکھیے۔" وہ آفیسر آگے بڑھ کر بولا۔

خان نے اندر قدم رکھا تو وہ دونوں بھی اندر بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ ہی وہ آفیسر بھی ایک نشست پر بیٹھا۔ نشستیں اتنی آرام دہ تھیں کہ ایک بار پشت سے ٹکنے کے بعد سو جانے کو جی چاہتا تھا۔ پرا باندھے کھڑے محافظوں نے ایک ہاتھ اونچا کر کے انھیں سلامی دی اور وہ گاڑی رینگنے لگی۔ پھر اچانک اسی کی رفتار تیز ہو گئی اور بمشکل دو سو گز دوڑ کر اس کے پر پھر اچانک پورے کھل گئے۔ خان نے دیکھا ان کے نشستوں کے دونوں طرف ایک شیشے کی دیوار اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور یہ ہنس نما گاڑی اب فضا میں بلند ہو رہی ہے، تیری طرح پرواز کرتی، بلندی سے انھوں نے نیچے دیکھا، انھیں اس عمارت کی چھت بھی نظروں سے اوجھل ہوتی معلوم ہوئی، لیکن تعجب تھا کہ نیچے سے جن عمارتوں کی دیواریں تھیں نظر نہ آئی تھیں۔ وہ عمارتیں اب دکھائی

دے رہی تھیں ۔دھند لے نقوش کی طرح ۔انھیں ان عمارتوں کی تمام چھتیں کھلی نظر آئیں ۔اور لمبی لمبی جیسے میدان ہوں اور ہر چھت پر کچھ سیاہ سیاہ دھبے سے دکھائی دیے ۔ان کی ہنس نما فلک پیما گاڑی بلند ہوتی گئی ۔انھوں نے دیکھا یہ آبادی اتنی دور تک پھیلی ہوئی تھی کہ جیسے شہر سے شہر ملحق ہتے چلے گئے ہوں ۔ان میں تمام عمارتیں قطاروں میں بنی نظر آئیں اور مریخ کی سڑکیں اس قدر چوڑی تھیں کہ ان پر میدان کسی بہت بہت لمبی پٹی کا گمان ہوتا تھا ۔ان سڑکوں پر شاید گاڑیاں یا انسان یا جاندار ننھی چیونٹیوں کی طرح رینگتے نظر آرہے تھے ۔مارکوئس بتا چکا تھا کہ سو ڈگری ٹمپریچر کے اس سکفر میں حالات زمین جیسے ہی نظر آئیں گے ۔ان میں آسمان میں سنگل سیٹر گاڑیاں پرواز کرتی نظر آئیں گی ۔یہ گاڑیاں چھوٹی چھوٹی کشتیوں جیسی تھیں ان میں سے ہر ایک میں چار چار پر لگے تھے جو مچھلیوں کی طرح پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے ۔ہر گاڑی میں ایک ہی آدمی بیٹھا دکھائی دیا ۔

''یہ کس قسم کی گاڑیاں ہیں، باس ۔''بالے نے خان سے پوچھا ۔

''انھیں اڑن کشتیاں کہا جاتا ہے ۔یہ سڑکوں پر دوڑ نہیں سکتیں، صرف مکانوں کی چھتوں پر اترتی ہیں یا میدانوں میں اور وہیں سے پرواز کرتی ہیں ۔''اس آفیسر نے درمیان میں دخل دے کر بتایا ۔اس وقت خان کی نظر نیچے پڑی ۔شاید ان کی گاڑی نیچے اتر رہی تھی ۔انھیں ان شہروں پر سے موٹی سی لکیر گزرتی نظر آئی ۔

''یہ کیا بلا ہے؟''

''یہ ایئر ٹرین ہے ۔شہروں کے اوپر سے گزرتی ہے ۔''

''یہ ایک دم سیدھی کیسے چلتی ہے، کیا تاروں پر؟''بالے نے پوچھا ۔

''یہ دو مرکزوں سے کنٹرول ہونے والی شعاعی ریڈ ریز پر چلتی ہے ۔'' آفیسر نے جواب دیا ۔

''اور اگر ان کا فلورک جائے تو؟''خان نے پوچھا ۔

''تو کوئی حادثہ نہ ہوگا، کیونکہ ان کے نیچے ایک تہ اینٹی گریوٹی ریز کی بچھی رہتی ہے۔ٹرین نیچے نہیں گرے گی، وہیں تیرتی رہے گی۔''

''کمال ہے۔سالا مریخ کیا ہے عجائب خانہ ہے۔''شوکت نے حیرت سے کہا۔

''مریخ میں تمام تبدیلیاں پچھلے ۲۵ سالوں میں ظہور میں آئی ہیں۔'' آفیسر نے بتایا۔

''جب سے موسیو سلازار تشریف لائے ہیں۔''

''آپ یہیں کے باشندے ہیں؟''

''جی ہاں۔ میں اس علاقے کی اعلیٰ ترین نسل سے تعلق رکھتا ہوں۔ دیکھیے یہ میرے کان، یہ اس نسل کی پہچان ہیں۔'' آفیسر نے اپنے کان بیلٹ کے نیچے سے انھیں دکھائے۔وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کانوں کی شکل پان جیسی تھی اور نوکیں اوپر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''لیکن موسیو سلازار جب یہاں تشریف لائے تھے آپ کتنے بڑے تھے جب؟'' بالے نے پوچھا۔

''میں جوان تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ دن جب مریخیوں نے اچانک ایک رات کو بے شمار چنگاریاں آسمان پر اڑتی دیکھی تھیں۔فضا دھواں دھار ہوگئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے ہمارے سیارے پر کوئی بہت بڑی تباہی آرہی ہے۔ہمارے یہاں اس وقت بیلون شپ فجا کی رکھوالی کیا کرتے تھے۔بس اچانک آسمان سے بجلیاں گرنے لگیں اور وہ دھماکوں کے ساتھ پھٹ کر تباہ ہوگئے۔ وہ رات بڑی بھیانک گزری۔ ہماری زیادہ تر آبادی گھبراہٹ میں ٹھنڈے علاقوں کی طرف نکل گئی اور وہ تباہ ہوگئے۔جو رہ گئے وہ نہروں کی طرف بھاگے اور صبح جب ہوئی تو ہمیں ویرانوں میں لاتعداد راکٹ کھڑے نظر آئے، جن کی شکلیں گنبد نما مکانوں جیسی تھیں۔لیکن ہمارا خوف بے بنیاد نکلا۔ وہ انسان جوان راکٹ نما مکانوں سے برآمد

ہوئے ۔وہ بڑے خلیق اور مہربان تھے۔اور انھوں نے ہمیں ستانے کے بجائے یہاں اپنی کالونی علیحدہ بسانی شروع کردی۔ہم ڈرے ہوئے تھے،لیکن رفتہ رفتہ جب ان سے مانوس ہوگئے تو ہم نے ان میں شمولیت اختیار کرلی۔کیونکہ ان کا سب سے بڑا آدمی ہمارے موسیوسلازار انسان نہیں شاید کوئی فرشتے یا آسمانی برکت ہیں۔مریخ کے تمام لوگ تو انھیں بلند خلاؤں سے اترا ہوا دیوتا سمجھتے ہیں۔انھوں نے ایسے ایسے سائنسی معجزے دکھائے کہ ہماری نسلیں حیران رہ گئیں۔آپ جانتے ہیں ان سے پہلے یہاں ہماری اوسطاً زندگی کا معیار کیا تھا؟"

"کیا؟"

"صرف دس سال۔"

"یعنی ان دس برسوں میں آپ لوگ نشوونما کی تمام منازل طے کر لیتے تھے؟" خان نے پوچھا۔

"اور بوڑھے ہوکر مرجاتے تھے۔یہ تو جب سے یہ گیس کا سکٹر قائم کیا گیا ہے اور اس سکٹر کا ٹمپریچر سوڈگری پر موسیوسلازار نے قائم کرلیا ہے تب سے واقعی معجزہ ہوگیا۔یعنی دس سال کی مدت زندگی بڑھ کر سو سال ہوئی۔" وہ بڑے فخر سے بتاتا گیا۔

"موسیوسلازار کے آنے پر تو بڑی حیرتناک باتیں ہوئی ہونگی؟" خان نے پوچھا۔

"عجیب دور تھا وہ۔وہ الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔البتہ آپ کو ہماری جدید تاریخ 'آسمان کا بیٹا' میں تمام کمال وواقعات مل جائیں گے۔' اس آفیسر نے بتایا۔

"آسمان کا بیٹا؟" خان نے دہرایا۔

"ہاں۔مریخ کے عام لوگ آج بھی موسیوسلازار کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔حالانکہ وہ خود اسے پسند نہیں کرتے۔وہ احتراماً صرف موسیوسلازار کہلانا پسند کرتے ہیں۔" آفیسر نے بتایا۔

Akram Allahabadi

باتوں باتوں میں وہ کافی دور پرواز کر آئے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لاتعداد شہر پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

''اس ہنس گاڑی کو کیا کہتے ہیں؟'' بالے نے اس سے سوال کیا۔

''یہ سرکاری سفری طیارہ ہے۔اسے یہاں 'راج ہنس' ہی کہا جاتا ہے۔یہ خشکی، پانی اور ہوا پر اسی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

بات مختصر ہو گئی، کیونکہ یہ طیارہ اب ایک بڑی وسیع چھت پر اتر رہا تھا جہاں انھیں بہت سے نیلے لباس والے آفیسر نظر آئے۔یہ کوئی اوپر سے 'S' کی شکل میں نظر آنے والی عمارت تھی، یہی غالباً سلازار کو صدر مقام تھا۔اس کے اوپر سات رنگوں کے سات پرچم لہراتے نظر آ رہے تھے۔اس کے سامنے ایک سمت ایک سبز میدان اور دوسری سمت ایک فلیٹ زمین دکھائی دے رہی تھی۔عمارت کے بالکل سامنے میدان میں تین فلک بوس راکٹ کھڑے موٹی سوئیوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

طیارہ جب نیچے اترنے لگا، تو نیچے کچھ دھماکے ہوئے اور ان کے ساتھ کچھ حباب سے اوپر کی طرف بلند ہوتے نظر آئے۔وہ فضا میں پہنچ کر پھوٹنے لگے، لیکن ان کے پھوٹنے سے حباب سے اوپر کی طرف ایک عجیب سا ترنم فضا میں پیدا ہونے لگا۔مدھم مدھم موسیقی کی لہریں جیسے پیدا ہوں اور مر جائیں۔

طیارہ اسی 'S' نما مسقّف پر اترا۔نیچے اترتے وقت انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت آہستہ سے کسی چیز کو اٹھا کر زمین پر رکھے۔یہاں موجود تین افسروں نے ان کا استقبال کیا۔ان کے علاوہ تین انتہائی حسین لڑکیاں بھی موجود تھیں جن کے چہرے گلاب کی طرح کھلے ہوئے، مگر کان پان جیسے اوپر کی طرف نوکدار تھے۔وہ چست لباس پہنے تھیں۔اور ان کے سڈول جسم اتنے پرکشش تھے کہ زاہد صد سالہ بھی دیکھ لے تو پہلی نظر میں رال ٹپکانے لگے۔ انھوں نے ایک ایک مہمان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیے اور اٹھلاتی ہوئی چال سے انھیں لے

کر چلیں۔شاید یہ یہاں کے استقبالیہ رسم تھی۔شوکت کو تو زندگی کا صحیح لطف آ گیا۔سفر کی تمام مصیبتیں بھول گیا۔اس گداز گورے اور پر شباب جسم سے ٹکرا کر چلتے ہوئے اسے اپنے بدن میں ایک سنسنی سی محسوس ہونے لگی۔ایک بار تو ایک زینے سے نیچے اترتے ہوئے اس کا جی چاہا کہ اس کا دل آویز حسن کو اپنی آغوش میں لے لے،مگر پھر اس اجنبی دنیا میں نامعلوم سائز کے جوتوں کے خوف نے اس کے ارمانوں پر کرفیو آرڈر لگا دیا۔یہ سیڑھیاں آپ سے آپ نیچے اترتی تھیں۔بالآخر وہ ایک ایسے ایوان میں پہنچ گئے جس کی محرابیں تقریباً تیس چالیس فٹ اونچی تھیں۔اندر کوئی ستون نہ تھا۔فرش شیشے کا تھا اور اندر چاروں طرف صرف ایک پائے کی نشستیں تھیں۔ہال کی مغربی سمت میں ایک چبوترہ تھا جو فرش سے صرف ایک فٹ اونچا تھا اور اس چبوتیر پر ایک عجیب سی دھات کی کرسی رکھی تھی۔وہ اتنی بڑی اور اونچی تھی کہ جیسے کوئی دیعار پر بیٹھا ہو۔اس کرسی کے پیچھے کی دیوار سفید تھی۔اس چبوترے کے نزدیک پہنچ کر وہ لوگ اس کے سامنے رک گئے۔

''ہم موسیو سلازار کے مہمانوں کو پیش کرتے ہیں۔'' ایک افر نے اس کرسی کی طرف رخ کر کے پوچھا۔

اچانک اس سفید دیوار پر روشنی کی لہریں دوڑنا شروع ہو گئیں۔پھر اس کے سفیدی سی سرخی میں پھر سبزی میں اور پھر بنفشی رنگ میں تبدیل ہو گئی۔اس میں انھیں سفید اور دودھیا روشنی کا ایک دھبہ لرزتا نظر آیا جو پھیلتا چلا گیا اور پھر اس روشنی سے سلازار کے روشن خاکے کا ظہور ہوا،مگر وہ ایک عکس کی طرح اس دیوار پر ہی تھا۔

''میں آج بہت مصروف ہو۔مہمانوں کو احترام کے ساتھ لگژری سرکٹ میں ٹھیرایا جائے۔'' سلازار کے عکس سے آواز آئی۔''کل ہماری ملاقات ہو گی۔'' اس قدر کہہ کر وہ عکس مدھم پڑنے لگا،پھر وہ دیوار صاف ہو گئی۔روشنی کی لہریں بھی رفتہ رفتہ معدوم ہو گئیں۔

سلازار کا ایک عجیب کارخانہ شوکت اور بالے کو اس قدر دبدبہ انگیز اور پر اسرار معلوم

ہوا وان کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔شوکت تو سلازار کا صرف نام ہی سنا کرتا تھا اور سمجھتا تھا یوں ہی کسی شاندار بنگلے میں رہنے والا کوئی سائنسداں ہوگا، مگر یہاں تو آنکھیں ہی چندھیا گئیں۔ یہاں کی ایک ایک چیز زمین کے ہزار عجائبات پر بھاری تھی۔کبھی کبھی تو انھیں یہ گمان ہوتا کہ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔وہ افسر اور وہ گل اندام لڑکیاں پھر ان کی رہنمائی کرنے لگیں۔بالے اور شوکت دونوں اس طریقِ مدارات سے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆

خان کی آنکھ اچانک ہی کھل گئی۔ویسے تو وہ کھٹکے پر جاگ اٹھنے کا عادی تھا، لیکن اس وقت تو جیسے اس کی چھٹی حس نے اسے سوتے سے جگا دیا۔لگژری سرکٹ کی اس شاندار آرام گاہ میں جہاں مدھم سبز روشنی کی لہریں چھت پر دوڑتی پھر رہی تھیں، اس نے نگاہیں گھما کر دیکھا، شوکت اور بالے دونوں خراٹے لے رہے تھے۔وہ چھت کو تکتے ہوئے کچھ دیر اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا۔لیکن اس کی آنکھ خواہ مخواہ تو نہیں کھلی تھی۔ضرور کوئی بات ہی تھی۔کوئی نامعلوم سا احساس کسی غیر متوقع بات کا۔ایک بہت خفیف سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور اس نے فوراً آنکھیں موند لیں۔مگر بہت باریک آنکھوں سے وہ اب داہنی سمت کی دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں اسے دیوار میں پیوست مشروب کی ایک ریک کچھ ہلتی معلوم ہوئی تھی۔لمحے بھر بعد وہ دیوار کے اندر غائب ہو گئی۔اور اس کی جگہ تاریک خلاء پیدا ہو گیا۔

اس تاریک خلاء سے جو ہستی نمودار ہوئی اس کی آنکھوں کیلئے ان دیکھی نہ تھی، آرین کو وہ ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔دھندلی سبز روشنی میں اس کی عریاں باہیں، گوری پنڈلیاں، ابھرا ہوا سینہ، کھلا ہوا حسین چہرہ ایسے سناٹے کے وقت کسی کے بھی جذبات میں ہیجان پیدا کر سکتا تھا، مگر خان کا دماغ تو تیزی سے اس کی آمد کی وجہ پر غور کر رہا تھا۔

"کیا یہ مارکوئس کی گرفتاری کے بعد چھپ کر اس تک کچھ کہنے آئی ہے؟"

Akram Allahabadi

''کیا وہ بھی مارکوئس کے ساتھ روندی گئی ہے؟''

''اس کی نیت کیا ہے، کیوں آئی ہے؟''

خان کا دماغ تیزی سے سوچتا چلا گیا۔ وہ مگر دم سادھے پڑا رہا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی آمد کے ساتھ خواب گاہ میں ایک عجیب سی خوشبو پھیلی ہے۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے آرین کے ہاتھ میں ایک پمپ جیسی گن نظر آئی، جس کا بیا کسی گیتی کی طرح گول اور بھرا ہوا تھا۔ وہ اسے دبائے جا رہی تھی۔ کچھ دیر وہ وہیں کھڑی یہی عمل کرتی رہی۔ شاید یہ خوشبو اس کا ردِ عمل تھی، لیکن اس خوشبو کا ردِ عمل بھی جلد ہی ظاہر ہونے لگا۔ خان کو اپنے ذہن پر غنودگی سی طاری ہوتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے جلدی سے سانس روکی اور پھرتی سے مہین چادر کی ناک پر آڑ کر لی۔ ملائم مہین چادر اس آرام دہ بستر کا ہی ایک حصہ تھی جو شاید رات کو کسی وقت خنکی زیادہ ہونے پر استعمال میں لائی جانے کیلیے تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے آرین کو اپنی ہی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ چند لمحے یوں ہی کھڑی خان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے جھک کر بہت آہستہ سے خان کو جھنجوڑا، مگر خان نے اپنے اوپر بظاہر گہری نیند طاری کر لی تھی۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ سو رہا ہے، آرین نے آہستہ سے اس کی چادر الگ کر دی پھر اس نے خان کے بدن پر اس کے لباس کو ٹٹولنا شروع کیا۔ شاید اس سے بھی اس کا مطلب حاصل نہ ہوا۔ تب اس نے اس کے سرہانے دیکھا۔ بستر کے نیچے کچھ ڈھونڈا۔ یوں بھی کچھ نہ ملا تو دوبارہ اس نے خان کو ٹٹولا۔ وہ وقت بڑا آزمائشی تھا جب وہ اس کے بدن پر اپنے نرم گورے ہاتھ پھیر رہی تھی، لیکن خان نے بدن کو ذرا سا ہلنے بھی نہ دیا۔ ایک بار تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے، لیکن وہ فولادی عزائم اور پتھریلے ٹھوس کردار کا انسان تھا۔ اس آزمائش سے بھی گزر گیا۔

آرین اپنی تلاش میں ناکام رہ کر لوٹی تو اس نے بالے اور شوکت کی بھی تلاشی لی۔ لیکن شاید اسے وہاں سے بھی اپنی مطلوبہ شے حاصل نہ ہوئی۔ وہ واپس جانے لگی۔ اس وقت

خان اپنی جگہ سے اچانک اچھلا اور اس نے آرین کا ہاتھ تھام لیا۔آرین شاید چیخ مار دیتی، مگر دوسرا ہاتھ خان نے اس کے منہ پر رکھ دیا۔آرین نے جب اپنے آپ پر قابو پا لیا تو خان نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔وہ اپنی کمر کی طرف سے کاغذات نکال کر آرین کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہی تلاش کر رہی تھیں نا تم؟''

آرین چونک کر خوفزدہ سی ہو گئی، مگر فوراً سنبھل گئی۔

''ہاں یہی۔''اس نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔

''کیوں؟ کس لیے؟''خان نے پوچھا۔

''میں مارکوئس کو بچانے کیلیے انھیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔''وہ بولی۔

''جب ہی چوروں کی طرح یہاں آئی ہو۔''

''صرف یہی کاغذات ثبوت کے طور پر مارکوئس کو سزائے موت دلا سکتے ہیں۔مجھے ڈر تھا کہ آپ انھیں موسیو سلازار کے سامنے پیش کر دیں گے۔''اس نے کہا۔

''تمہیں ان کاغذات کا علم کیسے ہوا؟''

''مجھے مارکوئس نے ہی بتایا ہے۔''

''مگر میں انھیں مارکوئس کے خلاف پیش کرنے نہیں جا رہا تھا۔''

''یہ کاغذات مجھے دے دو۔''وہ غیر ضروری طور پر ان الفاظ کو کسی قدر بلند آواز میں بولی۔خان کھٹک گیا۔اس نے فوراً اپنی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا لائٹر نکالا اور اسے جلا کر ان کاغذات کو آگ لگا دی۔یہ دیکھ کر آرین چیختی رہ گئی۔وہ اس کی طرف جھپٹی، مگر اس نے صرف ایک لات سے ہی اسے اتنی زور سے پیچھے دھکیلا کہ وہ دیوار سے جا ٹکرائی۔

کاغذات جلتے رہے۔خان نے انھیں اوپر سے تھام کر لٹکا لیا تھا۔جس سے وہ اور تیزی سے جل رہے تھے۔اچانک اس کی نظر آرین پر پڑی۔وہ ایک چھوٹی سی گن نکال چکی

تھی، مگر خان کو کچھ کرنے کا موقعہ نہیں ملا کہ آرین نے اس پر گن شوٹ کر دی۔ ایک بنفشی لہر سانپ کی طرح بل کھاتی تڑپ کر اس گن سے نکلی اور خان کے جسم سے ٹکراتے ہی اس کے چاروں طرف پھیل گئی۔ اس کے تمام اعضا سن ہو گئے۔ جیسے اس میں چلنے کی بھی سکت باقی نہ ہو۔ وہ کھڑے کھڑے گر پڑا۔ لیکن خان کا کام ہو چکا تھا۔ آرین کو جلے ہوئے کاغذات کے چند سالم رہ گئے ٹکڑے مل گئے، جن سے کوئی مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ وہ جھنجلاہٹ میں پیر پٹکنے لگی۔ عین اسی وقت ایک طرف کی دیوار چمکنے لگی۔ شاید سلازار کا ظہور ہو رہا تھا۔ وہ تمتماتی سفید روشنی دیوار پر پھیلتی گئی۔ پھر اس سے سلازار کا خاکہ ابھرا۔ اور پھر خاکہ مسلم ہو کر سلازار بن گیا۔ وہ سامنے کھڑا خان کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ آرین نے جلے ہوئے کاغذات اس کے سامنے کر دیے۔ اس وقت خان چونکا۔

''تو کیا وہ سلازار کی فرستادہ تھی؟''

''مگر کیوں؟ سلازار نے ایسا کیوں چاہا؟''

''اس کو اس طرح چوری سے اسے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟''

اور اس کے ذہن نے خود ہی اس بات کا جواب دے دیا۔

مارکوئس سچا ہے۔ سلازار کو مکتوب اور اس کے کاغذات سچے تھے۔ میرا شبہ سچ نکلا۔

اس نتیجے پر پہنچتے ہی اسے مارکوئس کی بے چارگی کا خیال آیا، لیکن اس وقت تو وہ خود بے چارگی میں مبتلا تھا۔ یہ وہ جان چکا تھا کہ بالے اور شوکت اس خوشبو کے اثر سے تقریباً بے ہوش ہیں، ورنہ کم از کم بالے ضرور جاگ اٹھا ہوتا۔

''تو تم نے جلا ڈالے وہ کاغذات؟'' سلازار نے بگڑے ہوئے موڈ میں خان سے سوال کیا۔

''میں کسی کی موت یا سزا کے موت کا سبب بننا نہیں چاہتا تھا۔'' خان نے جواب دیا۔

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مارکوئس نے ان کاغذات میں کیا لکھا تھا؟''

سلازار نے خان سے سوال کیا۔خان اس وقت بھی اس بے بسی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔اس کے اعضا کش تھے،لیکن دل ودماغ،زبان اوراندرونی اعضابرابر کام کررہے تھے۔

''میں چاہوں تو مریخ کے قانون کے مطابق تمہیں ایک باغی سازشی کی مدد کرنے کے الزام میں بدترین سزا دی جاسکتی ہے،لیکن تم میرے دوست رہے ہو،اس لیے شاید مجھے تمہارے ساتھ کچھ مروت کرنی پڑے گی۔کچھ کم سزا۔''

''جب موسیوسلازار کو علم ہے کہ میں ان کا دوست ہوں تو پھر مجھے ان کے کسی مخالف یا دشمن کی حمایت کا الزام کیوں؟ مارکوئس پکڑا جاچکا ہے۔میں نے تو صرف یہ چاہا تھا کہ میں کسی کے جرم کو اور شدید بنانے کا سبب نہ بنوں۔جب کہ میں جانتا ہوں کہ موسیوسلازار کا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔''خان نے اس انداز سے کہا کہ سلازار کی تیوری کے بل ڈھیلے پڑ گئے۔

''میں تمہارے بارے میں سوچوں گا۔سردست تم یہیں نظر بند رہو۔''

''دوستی کوئی کچا سوت نہیں ہے کہ ٹوٹ جائے گا،موسیوسلازار۔میں تمہارے اس سلوک کے باوجود تمہارا وفادر رہوں گا۔''خان نے اسے یقین دلایا۔

''ہوسکتا ہے مجھے تمہارے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہو۔''سلازار کچھ نرم ہوکر بولا۔

''بہرحال یہ فیصلی بھی کل ہی کیا جائے گا۔آرین،تم جاسکتی ہو۔''سلازار نے لڑکی کو اشارہ کیا۔اس نے ادب سے سر جھکایا اور جس راستے سے آئی تھی،اسی راستے سے غائب ہوگئی۔اس کے بعد سلازار نے اپنے سینے کے بیلٹ کا مرکزی بٹن گھمایا،اس میں سے ایک سفید خیرہ کن روشنی نکلی اور پھیلتی چلی گئی اور سلازار اس میں ایک روشن سائے کی طرح مدغم ہوکر دیوار میں سما گیا۔روشنی معدوم ہوگئی۔آرین کے جانے کے بعد دیوار بھی برابر ہوچکی تھی۔

خان اسی طرح زمین پر پڑا رہا۔اس نے لیٹے لیٹے بالے اور شوکت کو کئی آوازیں دی،مگر وہ تو غفلت میں پڑے تھے،ٹس سے مس نہ ہوئے۔کوئی اور چارہ نہ تھا۔خان اسی طرح نہ

جانے کتنی دیر تک پڑا رہا، مگر کافی وقت گزر جانے کے بعد اسے محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ پیروں میں جان آ گئی ہو۔ اس نے ہاتھ اور پیر زور زور سے ہلانا شروع کر دیے اور وہ ہلنے بھی لگے۔ پھر تھوڑی دیر میں اسکی پوری قوت عود کر آئی۔ وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے بالے کو جھنجوڑا، لیکن اس پر گہری غفلت طاری تھی۔ آخر کچھ دیر کوشش کے بعد بالے نے کسی نشے میں ڈوبے ہوئے شرابی کی طرح آنکھیں کھول دیں۔

''ابھی جاؤ نا، کل پروسوں ملنا۔'' بالے نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

''او گدھے، ہوش میں آؤ۔ ہم خطرے میں ہیں۔'' خان نے اسے جھنجوڑا۔

بالے چونک کر اٹھ بیٹھا، پھر اسی طرح انھوں نے شوکت کو جگایا۔ شوکت آنکھیں ادھ کھلی کر کے پہلے تو شموا کو گالیاں دینے لگا، پھر جب کھوپڑی اعتدال پر آ گئی تو وہ بھی بستر سے اٹھ بیٹھا۔ وہ دونوں خان کی شکل دیکھنے لگے۔

''ہمیں کسی طرح بھی یہاں سے نکل چلنا ہوگا۔'' خان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''کیوں؟'' بالے نے پوچھا۔

''سلازار کی نیت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔''

''کمال ہے، آپ کا تو بہترین دوست ہے اور پھر نیت اچھی نہ ہوتی تو ہمیں اول تو بتاتا ہی کیوں اور ہم جب ایسٹرائڈ پر موت کے پنجے میں پھنسے تھے تو ہمیں بچاتا کیوں؟'' بالے نے سوال کیا۔

''یہ باتیں ابھی تمہاری سمجھ ہی میں نہیں آئیں گی، پہلے تو یہاں سے غائب ہونے کی سوچو۔'' خان بولا۔

''آپ ہی سوچیے، ہم لوگ تو پیر و مرشد کے مریدوں میں ہے ہیں۔'' بالے بولا۔

وہ تینوں چند لمحوں کیلیے خاموش ہو گئے۔ خان سوچ رہا تھا۔ کوئی طریقِ کار۔ پھر

اسے اچانک مشروب کی ریک کا خیال آگیا، جس کے عقب سے آرین نمودار ہوئی تھی۔ اگر خفیہ دروازوں کا یہ کوئی میکانیکل سسٹم ہے تو ضرور اسے اندر سے کھولنے کا بھی کوئی ذریعہ ہونا چاہیے۔

وہ سوچنے لگا۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے اس ریک کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ ریک کے ساتھ بظاہر کوئی چیز منسلک نہ تھی۔ پھر بھی وہ اس کا ایک ایک حصہ گھما گھما کر دیکھ رہا تھا۔ جب اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو وہ اس کے قریب کا فرش دبا دبا کر دیکھنے لگا۔ فرش سخت اور چکنا تھا۔ لیکن ایک چھوٹے سے چوکور ٹکڑے پر وہ نرم معلوم ہوا۔ خان نے اس پر جیسے ہی پاؤں رکھا، ایک بہت خفیف سرسراہٹ ہوئی اور ایک دیوار میں اندر کی طرف دھسنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ اندر غائب ہو گیا اور اس کی جگہ تاریک خلاء نظر آنے لگا۔

''چلو، جلدی آجاؤ۔'' خان اس میں گھس پڑا۔ بالے اور شوکت بھی اس کے پیچھے اس خلاء میں داخل ہو گئے۔ یہ کوئی تاریک سی پتلی سی کاریڈور تھی۔ خان نے اپنی چور جیبیں ٹٹولیں۔ پنسل ٹارچ اندر موجود تھی۔ اس نے اس کی تیز، مگر محدود روشنی میں دیکھا یہ تنگ و تاریک راہداری تھی اسی طرح دور تک چلی گئی تھی۔

''خبردار، ذرا سی آہٹ بھی نہ ہو۔'' خان نے بہت آہستہ سے انھیں سمجھایا۔ اور پھر پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگا۔ بالے اور شوکت اس کی پیروی کرنے لگے۔ راہداری کافی دور تک جا کر گھومی تھی۔ اس کے دونوں سمت بند دیواریں تھیں۔ پھر وہ اچانک ایک کھلے ہال میں نکل آئے۔ یہاں چھت سے مدھم سی روشنی آرہی تھی۔ لیکن انھیں اس ہال میں کوئی ذی روح نظر نہ آیا، صرف ایک ہلکی سی گونج سنائی دی جو ایئر کنڈیشن سے کچھ ملتی جلتی تھی۔ ہال سونا مگر کافی شاندار تھا۔ اچانک وہ کھنکھناہٹ کے ہلکے سے شور کی آواز میں چونک پڑے، جیسے کہیں زنجیریں کھڑکھڑا رہی ہوں اور ایک لمحے کے بعد ہی انھیں روشنی کی ایک لہر رینگتی نظر آئی جیسے کسی ٹارچ سے روشنی نکل رہی ہو۔ وہ دوڑ کر دیوار کی آڑ میں ہو گئے۔ روشنی کی لہر اسی طرف آرہی تھی۔

انھوں نے دیکھا وہ ایسا ہی ایک روبوٹ تھا جیسے دو روبوٹ سلازار کے حکم پر مارکوئس کو لے گئے تھے۔ وہ اپنے سزنی قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور یہ روشنی اس کے سر میں لگے ہوئے ایک نیلگوں بلب سے نکل رہی تھی۔ روبوٹ ان کے سامنے سے گزر گیا۔ خان اس کے پیچھے چل پڑا اور بالے اور شوکت اس کی پیروی کرنے لگے۔ ایک سمت دیوار میں ایک چوڑا سا اکہرے موٹے پٹ والا فولادی دروازہ تھا جسے روبوٹ نے باہر کی طرف گھسیٹا تو کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ خن بھی پھرتی سے اندر چلا گیا، لیکن بالے اور شوکت نے جیسے ہی اندر قدم رکھنا چاہا وہ دروازہ آپ سے آپ بند ہو گیا۔

''لو یار، پھنسے اپن۔'' شوکت کے منہ سے نکلا، مگر بالے نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور وہ کچھ نہ سمجھ کر بھی چپ ہو گیا۔ مگر بہر صورت شوکت کی مخالفت سے اس کی آواز گو اس بلند چھت والے دالان میں گونج گئی تھی، جس کا ردِ عمل فوری ہوا۔ اچانک اس جگہ سنائی دینے والی وہ گونج مدھم پڑ گئی اور پھر انھیں ایسا لگا جیسے کوئی لمبی لمبی سانسیں لے رہا ہو۔ وہ دونوں چکرا گئے۔ ہال تو پورا خالی پڑا تھا، پھر اتنی تیز سانسیں کون لے رہا تھا۔ اچانک بالے کو کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنی سانس روک لی۔ سانس کی آواز ہلکی سی ہو گئی۔ اس نے شوکت کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ناک بھی بند کر دیا۔ سانس کی آواز رک گئی۔

''اے لو، یہ کیا حرکت ہے؟'' شوکت جھنجلا گیا۔

''پھنسایا اب تم نے، خاموش رہنے سے کیا فائدہ۔ ارے میں یہی تو معلوم کر رہا تھا کہ اس وقت ہمارے سانس لینے تک کی آواز کہیں سنی جا رہی ہے۔'' بالے نے اسے بتایا۔

''یا اللہ قسم یہ سالا کوئی بھوت بڑا بھوت خانہ ہے۔'' شوکت حیران ہو کر بولا۔

''کمبخت، اب تو چونچ بند رکھو اپنی۔''

''تم خود ہو گے کمبخت، میاں خاں، اور چونچ بھی۔'' شوکت بگڑ گیا۔

''اب آئی کوئی نہ کوئی مصیبت۔'' بالے نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا۔

''تو پہلے کون بھوت راحتِ جان آرام دلا لیتے اپن۔''شوکت نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔اسی وقت جیسے اس کمرے کی چھت کا سوراخ کھل گیا اور اس میں سے تمتماتی ہوئی روشنی کی ایک کاسنی لہر نیچے کی طرف آئی۔وہ اسپاٹ لائٹ کی طرح پورے دالان میں گھومنے لگی۔

''یہ روشنی کی آنکھ تمہیں تلاش کر رہی ہے،شوکت بھائی۔''بالے نے آہستہ سے کہا۔

جملہ پورا بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک روشنی کی آنکھ ان کی طرف ہی گھوم گئی۔شاید اس نے ان کی سرگوشی سن لی تھی۔بالے شوکت کو گھسیٹتا ہوا دوڑا،مگر وہ کیا روشنی تیز دوڑ سکتا تھا۔روشنی کی شعاع نے ان کا پیچھا کیا اور وہ اس کی کاسنی روشنی میں نہا گئے۔انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ان کے ہاتھ پیر کا دم نکلا جا رہا ہے۔اور پھر سارا بدن سن ہو کر رہ گیا۔دونوں دھڑام سے فرش پر گر پڑے۔صرف ان کی زبانیں اور ان کے دل و دماغ اور ان کے حواس ان کے قابو میں تھے۔

''اپنا وقت آ گیا مالوم ہوتا ہے،بالے بھائی۔''شوکت بے بسی سے بولا۔

''چراغ الہ دین...''بالے نے اس کیفیت میں کچھ کہنا چاہا۔

''ایسی تیسی تمہارے الا والدین کی اور تمہاری بھی۔''شوکت چیخا۔

بالے کچھ جواب بھی نہ دے پایا تھا کہ انھیں دالان کے بیرونی سمت سے کئی بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔اور ان کے دیکھتے دیکھتے تین دراز قد مریخی محافظ اندر داخل ہوئے۔ان کا رخ ان کی طرف ہی تھا۔وہ کاسنی روشنی ابھی تک ان پر تھمی ہوئی تھی۔ان محافظوں نے بغیر کچھ کہے بالے اور شوکت کو اٹھا کر کندھوں پر لاد لیا۔تیسرا ان کی سرداری کر رہا تھا۔وہ اسی راستے سے واپس لوٹ گئے۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

روبوٹ آگے آگے چل رہا تھا اور خان اس کے پیچھے تھا۔ وہ ایک چوڑے سے نیم روشن کاریڈور سے گزر رہے تھے، جس کی چھت میں ایک لمبی لکیر کی طرح روشنی دوڑتی چلی گئی تھی۔ کاریڈور آگے جا کر ایک چوڑے حصے میں تبدیل ہو گیا۔ یہاں خان کو ایک سمت کی دیوار میں قدِ آدم چوڑے دروازے نظر آئے۔ ان دروازوں پر نیچے سے اوپر تک ایک ہی شیشے جیسی چیز چڑھی ہوئی تھی۔ جس سے اندر کی ہر شے نظر آ سکتی تھی۔ خان نے ایک دروازے کے نزدیک سے گزرتے ہوئے ٹھٹک کر دیکھا، وہ ایک لمبا کمرہ تھا، جو شیشے کے دروازے سے نظر آ رہا تھا۔ اندر صوفہ نما ایک لمبا گدا پڑا تھا۔ پاس ہی ایک ایک پیروالی چھوٹی ٹیبل تھی۔ ویسی ہی ایک کرسی اور اس گدے پر اسے ایک نحیف سا آدمی نظر پڑا۔ وہ اسے دیکھ کر یہی اندازہ لگا سکا کہ کوئی قیدی ہے اور قد آدم شیشے کے دروازے والا یہ کمرہ ایک قید خانہ ہے۔ روبوٹ آگے جا کر ویسے ہی ایک دروازے پر رک گیا۔ اس نے کھڑے ہو کر کچھ دیکھا پھر آگے بڑھ گیا۔ خان جب نزدیک پہنچا تو اس کمرے میں قید آدمی کو شیشے سے دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ مارکوئس تھا۔ مارکوئس خان کو دیکھ کر اچھل کر دروازے کی طرف دوڑا۔ خان ٹھہر گیا۔ مارکوئس نے اندر سے کچھ کہا، مگر آواز باہر نہ آئی۔ تب ہاتھ سے اس نے روبوٹ کی پیٹھ کی طرف اشارہ کیا۔ اشارہ کچھ ایسا تھا جیسے کوئی چیز روبوٹ کی کمر سے کھینچ لی جائے۔ خان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ مگر وہ اس کے پیچھے دوڑا۔ روبوٹ نے نہ پہلے ادھر ادھر کوئی توجہ دی تھی نہ اب۔ خان نے غور سے اس کی پیٹھ کی طرف دیکھا۔ اس میں بیچ میں چھوٹا سا گول بٹن نظر آ رہا تھا۔ خان دبے پاؤں اس کے نزدیک پہنچا اور اچانک اس بٹن کو چٹکی سے تھام کر کھینچ لیا وہ چھ انچ کی سفید نلکی کی طرح باہر نکل آیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی روبوٹ دھڑام سے گر پڑا۔ خان سمجھ گیا کہ یہ روبوٹ کا کنٹرول فیوز ہے۔ روبوٹ کے گرنے کے بعد خان دوڑ کے دروازے کے شیشے کے پاس آیا۔ مارکوئس جلدی جلدی شیشے کے پاس آیا۔ اس نے اشارے سے خان کو بتایا کہ روبوٹ کا سینہ کھولے، اس میں ایک گن تھی جو روبوٹ کنٹرول کے ذریعے آپریٹ ہوتی ہے، وہ نکال لے اور اس شیشے پر

استعمال کرے۔خان روبوٹ کی طرف لپکا اس کے شیشے کا ڈھکن کھولنے میں اسے کوئی خاص وقت نہ پیش آئی ۔واقعی اندر اس عجیب وغریب میکانزم کے ساتھ ایک کیمرے کی طرح چھوٹی سی ایک رے گن نصب تھی، جو خان نے باہر نکال لی اور روبوٹ کو اسی طرح چھوڑ کر مارکوئس کے پاس آیا۔مارکوئس نے اسے آپریٹ کرنے کا تعلق بتادیا اور خان نے جیسے ہی اس کا ایک بٹن دبا کر اسے شیشے کی طرف کیا، ایک دہکتی ہوئی سرخ روشنی کی لہر جس سے بہت باریک سا دھواں نکل رہا تھا، نمناک شیشے پر پڑی۔شیشہ درمیان سے پگھل کر رال کی طرح ٹپکنے لگا۔تھوڑی سی دیر میں وہ سب جل کر گر گیا اور مارکوئس باہر نکل آیا۔

''موسیو سلازار کو آپ پر بجا طور پر فخر ہے۔'' اس نے خان کی تعریف کی۔

''مجھے جس قدر ممکن ہو سلازار کی خوابگاہ تک پہنچانے کی کوشش کیجیے۔'' خان نے اس سے کہا۔

''اب تو آپ کو کوئی شبہ نہ رہا ہوگا؟''

''یہ بات چیت کا وقت نہیں ہے، جلدی کیجیے۔'' خان نے اس کی بات پر توجہ بھی نہ دی۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' وہ خان کا ہاتھ تھام کر بولا اور خود جلدی جلدی آگے بڑھنے لگا۔وہ روبوٹ کو راستے میں چھوڑ گئے۔کاریڈور آگے گھوم کر ایک چوکور سے کمرے تک پہنچتا تھا۔مارکوئس نے اس کمرے کی دیوار پر لگے ہوئے ایک پوھل کو گھمایا اور وہ کمرہ نیچے کی طرف جا کر کچھ دیر بعد ہی وہ جیسے تھم گیا۔مارکوئس نے دروازہ کھولا اور خان کا ہاتھ تھامے باہر نکل آیا۔

''یہ مخصوص راستہ تھا، جس کا علم صرف چند آدمیوں کو ہے۔'' مارکوئس نے بتایا۔

''اور وہ جو سامنے روشن لہروں کا ایک چکر گھوم رہا ہے اس میں بلا جھجک داخل ہو جانے سے موسیو سلازار کی خوابگاہ میں پہنچا جا سکتا ہے۔'' مارکوئس نے بتایا۔

''آپ جایئے، میں تب تک آدمیوں کو سنبھالتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ دوسری سمت چلا

گیا اور خان ان روشن دائروں کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ دائرے ایک پان نما کمرے کی دیوار پر لہریں لے رہے تھے۔ خان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کے آگے کیسے گزر سکتا ہے، جب کہ دیوار بھی ٹھوس تھی، پھر بھی اسے مارکوئس کی بات پر اعتماد تھا۔ اس لیے وہ بے دھڑک ان آتشی لہروں کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کی عقل چکرائی ضرور کہ وہ اس ٹھوس دیوار میں کیسے داخل ہوگا، مگر جیسے ہی اس نے ان روشن لہروں میں قدم رکھا اس کا پیر جیسے دھوئیں کے اندر سے ہوتا ہوا دوسری طرف چلا گیا اور پھر ان آتشی لہروں سے وہ گزر گیا۔

اس وقت وہ دیوار کی دوسری سمت ایک بہت شاندار کمرے میں کھڑا تھا۔ جہاں اونچائی پر چھت کے نزدیک اسے چاروں طرف چھوٹی بڑی گیندیں گردش کرتی نظر آئیں۔ اس نے غور سے دیکھا، ان میں سے ہر ایک پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ علیحدہ علیحدہ سیاروں کے نام تھے۔ شاید اس جگہ کی چھت میں نظامِ شمسی کا متحرک نقشہ پیش کرتی تھی اور کچھ اسے کمرے میں نظر نہ آیا۔ البتہ درمیان میں ایک عجیب سی مشین یا پلانٹ رکھا ہوا تھا جس کے دونوں سمت دو شیشے کے لمبے گول والوز چھت تک چلے گئے تھے اور ان میں نیچے سے سانپ کی طرح لہراتی ہوئی آتشیں شعائیں چھت کی طرف جا رہی تھیں۔ یہ والوز چھت میں جا کر پیوست ہو گئے تھے۔ خان ابھی یہاں کھڑا ہو کر سوچ ہی رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اچانک پشت سے مارکوئس آ پہنچا۔ اس سے پہلے کہ خان کچھ بولے، اس نے کاغذ کا ایک پرزہ اس کے سامنے کر دیا۔ اس پر انگریزی میں لکھا تھا، 'میں محافظوں کا انتظام کر آیا ہوں۔ روبوٹ'۔

''اب خفیف سی آواز کیے بغیر ہمیں اس ٹرانسمیشن پلانٹ کو بند کرنا ہے تاکہ سلازار خود کو کہیں منتقل نہ کر سکے۔''

خان نے جلدی جلدی عبارت پڑھی۔ پھر وہ سوالیہ نظروں سے مارکوئس کی شکل دیکھنے لگا۔ مارکوئس آگے بڑھا اور اس نے وہی رے گن جو روبوٹ سے برآمد کی گئی تھی، ایک والوز پر چلا دی۔ رے گن سے سرخ شعاعی لہر نکل کر شیشے کے ستون (volve) پر پڑی اور کچھ

دیر تک یہ عمل مسلسل ہوتا رہا۔ پھر مارکوئس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ والوز کا کور پگھل رہا تھا۔ شیشے کے پگھلتے ہی اندر دوڑنے والی بنفشی لہریں منتشر ہونے لگیں اور تھوڑی ہی دیر میں اس پلانٹ سے 'سٹاک سٹاک' کی باریک آوازیں نکلنی شروع ہوگئیں۔ پھر اچانک دوسرا ستون بھی بجھ گیا، اس کی لہریں معدوم ہوگئیں۔

''اب اس کی خوابگاہ کا آٹو میٹک پروٹیکشن بھی ہٹ گیا ہے۔ یہ لہروں کا غلاف اسی مشین کی مدد سے اس کی خوابگاہ کے چاروں طرف چھایا رہتا ہے، نظر نہیں آتا، لیکن کوئی انجانا اگر اس سے ٹکرا جائے تو جل کر راکھ ہو جائے۔'' مارکوئس نے ایک نیلی پنسل سے اس پرزے پر لکھ کر بتایا۔

''میرے ساتھی نہ جانے کہاں ہیں، ہمیں جلدی کرنا چاہیے۔'' خان نے بھی اس پر پنسل سے لکھ دیا۔

''وہ سامنے جو شیشے کی کھڑکی روشن لکیروں کا جال بچھا ہوا ہے، اوپر سے نیچے کی طرف مسلسل اترتی ہوئی یہ لکیریں اپنی زد میں آنے والی ہر شے کے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ اس سے گزر کر ہم براہِ راست اس کے سر پر پہنچ جائیں گے۔'' مارکوئس نے لکھ کر جواب دیا۔

''مگر کیسے؟'' خان نے پوچھا۔

مارکوئس جواب دینے کی بجائے اس کے نزدیک جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر اس نے کمرے میں میز پر رکھی ہوئی ایک فولادی سلاخ اٹھا کر ان روشن متحرک لکیروں کے درمیان جیسے ہی لگائی، اس کا اتنا حصہ غائب ہوگیا۔

''یہی حشر ہمارا بھی ہوسکتا ہے۔'' مارکوئس نے لکھا۔ پھر اس نے اس پر رے گن فائر کی، مگر وہاں کچھ اثر نہ ہوا۔

''یہ بکس کس چیز کا ہے؟'' خان نے ایک طرف رکھے ہوئے بکس کو دیکھ کر پوچھا۔

''یہ ہمارا ایک خاص قسم کا پلاسٹک ہے، جو سکٹر ٹو میں پائے جانے والے ایک فلک

بوس درخت کے دودھ سے تیار کیا جاتا ہے۔'' مارکوئس نے بتایا۔خان نے کچھ کہے بغیر اس بکس کو کھول ڈالا۔اس میں چھوٹے چھوٹے بہت سے والوزاور مختلف چیزیں بھری ہوئی تھیں۔خان نے کوئی آنند کیے بغیر انھیں نکال کر باہر رکھااور وہ صندوق اٹھا لایا۔

مارکوئس سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔خان نے اس صندوق کا اگلا سرا ان روشنی کی لکیروں میں ڈال دیا، وہ دونوں اس کے نتیجے سے اچھل پڑے۔اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔خان نے باہر کھینچ لیا۔مارکوئس کچھ کچھ سمجھ گیا۔

''بس اب مجھے اس میں بند کر کے اندر ڈالو۔'' خان نے کہا۔

''بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں آپ۔'' مارکوئس نے کہا۔

''اس کے بغیر چارہ نہیں۔'' خان خود اس صندوق میں لیٹتے ہوئے بولا۔مجبوراً مارکوئس نے خود صندوق کو بغیر بند کیے اگلا سرا اونچا کیا اور اسے جھٹکے سے اندر دھکیل دیا۔صندوق دوسری طرف نکل گیا۔اس پر کوئی آنچ نہ آئی۔مارکوئس کا چہرہ کھل اٹھا۔

خان نے صندوق کا ڈھکن اٹھایا اور باہر نکل آیا۔سلازار کی چوکور خوابگاہ اسے بڑی فرحت بخش معلوم ہوئی۔یہاں کچھ ایسا خوشگوار ٹمپریچر تھا کہ خواہ مخواہ نیند آئی جاتی تھی۔اس کی چھت زیادہ اونچی نہ تھی، مگر وہ یہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہلکے ہلکے لال نیلے پیلے اور سبز رنگ بدل رہی تھی۔مگر دو آہنی انسان (روبوٹ) اس کی اس مسہری کے دائیں بائیں ایستادہ تھے۔ان کی آنکھوں کے حلقے کیونکہ روشن تھے، اس لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ ہوا کہ وہ بستر پر محوِ خواب سلازار کی نگہبانی کر رہے ہیں۔اس کی مسہری یا پلنگ (rocking chair) چیئر کی طرح آگے پیچھے چل رہا تھا۔بہت آہستہ یہ جھکورے یقیناً بڑے خواب آور ہوتے ہونگے۔خان نے دیکھا اس بیڈ پر وہ قدرت کا شاہکار محوِ خواب تھا۔زمین کا حسین ترین مرد، وقت کا سب سے عظیم سائنسداں، مریخ کا مقتدرِ اعلیٰ، جو بے پناہ پراسرار سائنسی قوتوں کا مالک تھا۔

اسے دیکھ کر ایک بار خان کے دل میں جھجک پیدا ہوئی اور وہ کشمکش میں پڑ گیا، مگر

پھر اس نے سر کو جھٹک کر ذہن صاف کر لیا۔ وہ دیوار کے سہارے سہارے آگے بڑھا۔ کمرے میں راتکی رانی کی مست کر دینے والی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، جو سلازار کی مرغوب ترین خوشبو تھی۔ وہ پنجوں کے بل چلتا ان روبوٹس کے پیچھے پہنچ گیا۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ روبوٹ کچھ چونکے ہیں۔ ان میں گھر گھراہٹ کی آواز پیدا ہوئی تھی۔ خان نے جھپٹ کر ایک کی پشت سے کنٹرول فیوز کی نلی باہر کھینچ لی۔ وہ اوندھا گرنے ہی والا تھا کہ خان نے خود کو اس کے سامنے کر کے اس کا بوجھ اپنی کمر پر روک لیا اور اسے آہستہ آہستہ زمین پر اوندھا کر دیا۔ دوسرا روبوٹ مشینی انداز میں اس کی طرف گھوما اور آگے بڑھنے لگا۔ خان نے اندازہ لگا لیا کہ اب اس کے سینے سے اس پر رے گن کا فائر ہونے ہی والا ہے، اس نے بڑی پھرتی سے جست کی اور اس کے سامنے سے دور ہٹ گیا۔ روبوٹ نے یہ دیکھ کر گھومنا چاہا، مگر جب تک وہ پلٹے، خان اس کی پشت پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے جھٹکے سے اس کا بھی فیوز کھینچ لیا۔ روبوٹ گرنے لگا تو اسے بھی اس نے اسی طرح پوری قوت سے سنبھال کر اوندھا لٹا دیا۔ یہ سب کچھ سلازار کی نیند خراب کیے بغیر ہو گیا۔ وہ لیکن اب بھی محتاط تھا، اس نے اس کی بیڈ کو چھوا تک نہیں۔ جلدی سے اس نے اپنی اندرونی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی جس میں کلوروفارم تھا، پھر اس نے اپنے لباس کا ایک ٹکڑا پھاڑ ڈالا۔ اسے اس میں تر کر کے بہت آہستہ سے محوِ خواب سلازار کی ناک کے نتھنوں کے پاس اسے چٹکی میں لٹکا لیا۔ سلازار کا بدن کسمسایا پھر ڈھیلا پڑ گیا۔ خان نے اب جیب سے دو پتلی پتلی تقریباً نو انچ لمبی نلکیاں نکالیں۔ یہ سرخ رنگ کی پلاسٹک کی نلکیاں نظر آ رہی تھیں۔ خان نے انھیں سلازار کے دونوں کانوں میں ڈالا اور جیب سے اپنا ننھا سا لائٹر نکال کر اسے جلاتے ہوئے اس کے ذریعے ان نلکیوں کے سروں میں آگ لگا دی۔ پھر وہ تیزی سے اس کے نزدیک سے ہٹا۔ یکے بعد دیگرے چار دھماکے ہوئے اور سلازار کے سر کے پرخچے اڑ گئے، جو کئی حصوں میں منقسم ہو گیا۔ بھیجا منتشر ہو گیا اور بستر پر خون ہی خون پھیل گیا۔ دھماکے کا شور شاید باہر بھی سنائی دیا ہوگا کیونکہ دوڑتے قدموں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ مگر جب داہنی سمت

کی دیوار میں ایک چوڑا خلاء پیدا ہوا تو سب سے پہلے اندر آنے والا مارکوئس تھا۔اس کے پیچھے تین آدمی اور تھے جو اعلیٰ افسروں جیسی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔خان مارکوئس کو دیکھتے ہی صندوق سے باہر نکل آیا۔

''مبارک ہو،میرے دوست۔''مارکوئس نے خوش ہو کر خان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

وہ تینوں دوڑ کر سلازار کی لاش پر جھک گئے۔اسے غور سے دیکھنے لگے۔

''دیکھ لیا تم نے۔''مارکوئس ان سے مخاطب ہوا۔''اب تو تمہیں یقین آیا۔''

''میں بھی فرق محسوس کر رہا تھا۔''ان میں سے ایک نے کہا۔

''موسیو سلازار ابدیت حاصل کر چکے تھے۔''تیسرا بولا۔

''لیکن یاد رکھو،سکٹ فور ہی نہیں،بلکہ پورے مریخ کی سلامتی کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ اس واقعے کی ذرا سی سن گن بھی کہیں نہ لگنے پائے۔''مارکوئس نے ان تینوں کو مخاطب کر کے بولا۔

''ہم پر اعتماد کیجیے،معزز مارکوئس۔''تینوں ایک زبان ہو کر بولے۔''لیکن ہمارے مہمان؟''

''ان کی مہمانوں کی حیثیت مشتہر ہو چکی ہے۔ان کا شاندار خیر مقدم ہونا چاہیے۔یہاں آج رات جو کچھ ہوا ہے،وہ سب راز میں ہے۔خود اس سلازار نے اپنے اقدامات راز میں رکھے تھے۔''مارکوئس نے جواب دیا۔

''اگر سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا معزز مارکوئس سے ہمیں معلوم ہوا ہے تو ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔آپ نے ہمارے سکٹر کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچا لیا۔''ان میں سے ایک آفیسر نے خان سے کہا۔خان صرف مسکرا دیا۔

سلازار کے خوابگاہ کو اسی وقت نامعلوم مدت کیلیے مقفل کر کے اس پر محافظ بٹھا دیے گئے۔مارکوئس کی گرفتاری وغیرہ کا حال کسی کو معلوم نہ تھا۔کیونکہ سلازار نے اسے روبوٹس کے

ذریعے گرفتار کروایا تھا۔اب پھر اس کا وہی دبدبہ تھا۔

مگر خان کو شوکت اور بلے کی فکر ستا رہی تھی۔ان کی تلاش ہر طرف شروع کرائی گئی، مگر کہیں پتا نہ چلا۔

مارکوئس نے موسیو سلازار کے مہمانوں کو سکٹر فور کی سیر کرانے اور عوام کی طرف سے ان کے شاندار استقبال کیے جانے کا اعلان کرا دیا۔تنومند اور ۷ فٹ سے ۱۹ فٹ تک کے قد والے مریخی افسر اور اوسط طاقت کے کرۂ زمین کے لوگ خان کو دیکھنے آنے لگے۔لیکن خان ایک بات دیکھ کر حیران رہ گیا ہ ان میں سے بہت سے لوگوں کی شکلیں ایک دوسرے سے ملتی ہوئی تھیں۔جیسے وہ کئی کئی آدمی ایک ہی سانچے میں ڈھالے گئے ہوں۔اسے بے چینی سے بالے اور شوکت کا انتظار تھا،لیکن ان کی خبر کہیں سے نہیں آ رہی تھی۔تقریباً دس گھنٹے بعد ایک اطلاع قصر احمر (صدر مقام) میں موصول ہوئی، جس میں بتایا گیا تھا کہ دو ایسے مریخی گرین ہاؤس میں دیکھے گئے ہیں،جن کی حرکتیں ہمارے لیے غیر مانوس سی ہیں۔ان کے ساتھ قصرِ احمر کے استقبالیہ اسٹاف کی دو لڑکیاں بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ وہ سرحدی پاکٹوں سے آئے ہوئے ان کے منگیتر ہیں۔جن کے ساتھ ان کی (Dates) تھیں۔خان اس اطلاع کو سنتے ہی مسکرا دیا۔مارکوئس اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''ان منگیتروں کو مبارکباد دینے میں وہاں خود جانا چاہتا ہوں۔''وہ اس سے بولا۔

''شوق سے جایئے، راج ہنس موجود ہے۔''مارکوئس نے کہا۔پھر وہ خود خان کے ساتھ قصر کی چھت پر لفٹ کے ذریعے گیا۔یہاں دو راج ہنس موجود تھے۔مارکوئس کے اشارے پر خان کو اسکورٹ (escort) کرنے کیلیے اس کے دائیں بائیں دو مریخی افسر بیٹھ گئے اور راج ہنس بٹن دباتے ہی قصرِ احمر کی چھت سے پرواز کرنے لگا۔

گرین ہاؤس دور سے ہی مرکز کی آبادی میں ایک چور ہے پر نمایاں نظر آ رہے تھے۔اس کا سبز رنگ خود ایک علامت تھی۔''سکٹر فور میں یہ سب سے اچھی تفریح گاہ ہے۔''

ایک افسر نے اسے بتایا۔

''ہم بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

دور سے ہی گرین ہاؤس کی ۲۵ منزلہ عمارت نظر آنے لگی۔ یہی چھت اس طرح کھلا میدان نظر آتی تھی جیسی قصرِ احمر کی صرف چاروں طرف منڈیریں تھیں۔ راج ہنس کو دیکھتے ہی نیچے موجود ہزاروں افراد کی نظریں اوپر اٹھ گئی۔ شاید کوئی بڑا افسر یا کوئی خاص مہمان آ رہے تھے۔ راج ہنس کی سواری ایسے ہی لوگ کرتے ہیں۔ وہ جب گرین کی چھت پر اترا تو گرین کے منتظمین، جن میں زیادہ تر مریخی ہی تھی، دوڑ پڑے۔ خان کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا، مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی پیشکش کرتے، خان نے اپنی آمد کا مقصد واضح کر دیا۔

''میں یہاں اس وقت ایک خاص موقع سے آیا ہوں۔ آپ کی دعوتیں سر آنکھوں پر۔ میں ان کیلیے کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔''

زمین کے اس مہمان کو دیکھنے کیلیے بیتاب تو سب ہی تھے، لیکن افسروں کے سمجھانے پر اس وقت کے پروگرام ملتوی کر دیے گئے۔ ان میں سے ایک افسر ان کی رہنمائی کرنے لگا۔

نچلی منزل پر آ کر افسروں کے ایک آدمی نے ان کی رہنمائی کیلیے ان کیبنوں کی طرف کی جہاں کے بارے میں دو مریخیوں کی رپورٹ ملی تھی۔ گرین ہاؤس کی تفریح گاہ قابلِ دید تھی۔ بلند محرابوں والے شیشے جیسے چمکدار ہال، روشن ستون، انواع اقسام کی خوشبویں اور گوشے گوشے میں نظر آنے والا قدرت کا بے پناہ حسن۔ یہاں پر صرف دیواروں کے بٹن دبا کر طلب کی جاتی، یا میزوں پر لگے ہوئے ٹالک سسٹم پر۔ خان کو کیونکہ سرِ دست گرین ہاؤس دیکھنے سے دلچسپی نہ تھی، اس لیے وہ سیدھا ان کیبنوں کی طرف ہی گیا جہاں وہ دو اجنبی بتائے گئے تھے۔ افسر وہیں رک گئے۔

خان جیسے ہی اندر داخل ہوا، مہمان نواز مریخی لڑکیاں سٹپٹا گئیں اور ان کے منگیتر بھی بغلیں جھانکنے لگے۔ خان نے بڑی مشکل سے ہنسی روکی۔ بالے اور شوکت نے میک اپ بھی

کچھ ایسا کیا تھا۔میک اپ کرنے کی کوشش بھی اناڑیوں جیسی نظر آ رہی تھی۔ان کے کان پان جیسے نظر آ رہے تھے۔بھنویں کسی چیز سے سخت کر کے ان کی نوکیں مونچھوں کی طرح نکالی گئی تھیں، بلکہ نتھنوں کے قریب سے موٹی اور سرخ کر دی گئی اور کھوپڑی پر وگ لگائے گئے تھے۔ ان سے صرف درمیان میں ایک کالی سڑک ہی دکھائی دے رہی تھی۔لباس میں بھی وہ سیزر کے درباری جیچے پہنے تھے۔خان ان کے قریب پہنچ گیا۔

''آپ کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں؟''ان لڑکیوں میں سے ایک نے ادب سے خان سے پوچھا۔

''جی ہاں، میں اپنے ساتھ زمین کے ایک چڑیا گھر سے دو نابالغ گدھے لایا تھا۔ انھیں ہی ڈھونڈ رہا ہوں۔''خان نے زبردستی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کے گدھے مدھے یہاں اس شاندار ہوٹل میں کہاں سے آ گئے۔''شوکت سے نہ رہا گیا۔

''یہی تو دیکھ رہا ہوں۔''خان مسکرا کر بولا۔پھر وہ ان لڑکیوں سے ہی بالے اور شوکت کے بارے میں پوچھنے لگا۔''آپ لوگوں کی تعریف؟''

''جی میرا نام تقزیا مریخ ہے۔میں ان کا منگیتر ہوں۔ہم دونوں کی پہلی ملاقات ۱۸۵۷ میں پانی پت کے میدان میں ہوئی تھی اور پہلی ہی نظر ہم دونوں پہلی نظر کا تیر گاتے ہوئے ایک دوسرے پر عاشق صادق ہو گئے۔پھر جب ہمارا عشق ماؤنٹ ایورسٹ سے گزر گیا تو سرزمین مریخ پر ہماری نانی جان نے مرغی کا انڈا اکاٹ کر ہماری منگنی کر دی،تب سے ہم جنم جنم کے ساتھی ہیں، جناب۔''

''اب آپ میرے بڑے بھائی سے ملیے۔''بالے شوکت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔''آپ کا نام سترہ سو ساٹھ ۱۷۶۰ ہے۔پیدائش کے وقت ان کی محترمہ کی ماں نے ان کے ٹھیکرے میں پیسہ ڈال کر ان کی منگنی کر دی تھی۔تب سے بیچارے راگ الاپتے پھرتے تھے،

بڑی مشکل سے آج دال گلی ہے۔"

"ہوشت۔تم خدہو گے سالے سترہ سو، بلکہ تین سو پینسٹھ۔لوخان صاحب تو زندہ بیٹھے ہیں اور یہ سالیں، آپ، آئی ایم ساری، بچاریں اپن کو دشمنوں سے چھپاتی پھر رہی ہیں۔"شوکت سے نہ رہا گیا۔

"تو یہ شاندار جگہ کی تفریح گاہ میں ہی آپ کو چھپنے کی جگہ ملی تھی۔"خان نے ان پر طنز کیا۔

"تو اور کیا جنگل میں چلے جاتے۔باقی آپ کے چراغ الہ دین کے چکر میں تھوڑی دیر تفریح سے بھی گئے۔"

"کس چیز کا چکر؟"خان چیخ کر بولا۔

"مجھے ساب معلوم ہے کوئی اتنی دور لاکھوں ہزاروں میل آسمانی سفر یوں ہی نہیں کرے گا۔"شوکت کی کھوپڑی بہکنے لگی۔

"اچھا،تو یہ آپ کے چھوٹے بھائی کی حرکت ہے۔"خان نے بالے کی طرف دیکھا۔

"بالے کی حرکت مرکت۔"شوکت نے بے خیالی میں کہا۔"آپ کو تو بس شہزادی بدرالبدر مل ہی جائے گی،پھر اپنی ہی رہ گئے لنڈورے۔"شوکت نے منہ بنا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے بالے نے تمہیں اچھی طرح گھاس کھلا دی ہے۔"خان بولا۔

"اے لو،کیا میں کوئی گھوڑا تھا۔"شوکت برامان گیا۔

"چلو خیر، میں کب سے تمہیں تلاش کرا رہا تھا۔معلوم ہے سویرے سے تم لوگوں کیلیے پورے سکٹر میں تلاش ہو رہی ہے۔"خان نے کہا۔

"لو اور سنو،بالے بھائی۔اور اپن یہ سمجھے تھے کے سالے اپن کو پھانسی چڑھانے کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"شوکت نے منہ کھول کر کہا۔

Akram Allahabadi

''واقعی ہم یہ سمجھ کر بھاگے تھے۔'' بالے نے بھی تصدیق کی۔

''اوران بیچاریوں کو نہیں لے چلیں گے آپ؟''

''یہ بھی سفر احمد کے اسٹاف میں ہیں، تم سے ملاقات ہو جائے گی۔'' خان نے اسے تسلی دی۔اس کے بعد وہ انھیں ساتھ لے کر واپس ہوا۔

☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حیرتناک راز

سفر احمد میں رات کی ایک شاندار دعوت کے بعد جس کے کھانوں کا چٹخارا شوکت کی زبان ابھی تک لے رہی تھی۔ سفر احمد میں ہی مارکوئس کی مخصوص نشست گاہ میں خان اور مارکوئس اور وہ دونوں ان دو لڑکیوں کے رحم و کرم پر ہی نشست گاہ میں بیٹھے تھے۔ خان نے بالے اور شوکت کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ ان دونوں کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا۔ کمرے کے باہر مارکوئس کے تین وفادار آفیسر پہرہ دے رہے تھے۔ مارکوئس نے چائے سے ملتا جلتا ایک مشروب اپنے مہمان کو پیش کیا۔ خان نے سلسلۂ گفتگو چھیڑ دیا۔

''کیا آپ کے وہ تینوں ساتھی بھی اس راز میں شریک ہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''نہیں، انھیں صرف اسی موت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔'' مارکوئس نے بتایا۔

''تو پھر مجھے کل ہی روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''بہتر تو یہی ہوگا، کیونکہ ابھی تو چھ سکھر باقی ہیں، یا یوں سمجھیے کہ مریخ کی چھ علیحدہ علیحدہ دنیائیں ابھی ان کا انتظار کر رہی ہیں۔ ان کے حالات بھی مختلف، باشندے بھی مختلف ہیں۔'' مارکوئس نے کہا۔

''جس طرح خدا نے یہاں کامیاب کیا ہے، وہاں بھی کرے گا۔ میں تو اپنے دوست کی مدد کر رہا ہوں۔'' خان ہنس کر بولا۔

''کیا آپ نے واقعی وہ پیپر جلا دیے ہیں؟''

''میں اس قدر احمق تو نہیں ہوں۔ کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ کچھ نہ کچھ ہوگا، اس لیے اس کا انتظام کر چکا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''میں نے خود بھی ان کاغذات کو دیکھا نہیں ہے۔ موسیو سلازار کی امانت مجسم میں

Akram Allahabadi

نے آپ کے سپرد کر دی تھی۔ کیا ان میں کوئی خاص بات بھی ہے؟"

"آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مجھے آپ پر اعتماد ہے۔" خان نے ایک چھوٹا سا کاغذ کا پیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

مارکوئس نے اسے کھولا، اندر ایک جھلی دار باریک سفید کاغذ تھا جس پر باریک سیاہ نائب میں انگریزی زبان میں خان کے نام سلازار کی ہدایتیں تھیں۔ مارکوئس نے پڑھنا شروع کیا۔

ڈیئر خان

میرے شروع کے خط سے تو تمہیں حوالہ مل ہی چکا ہے۔ اب تفصیلاً سنو۔ میں مریخ پر خود تمہارا خیر مقدم کرنے کیلیے موجود رہتا، لیکن پھر خود ہی میری حماقت سے میں نے ایک ایسی مصیبت مول لی ہے جس کا خاتمہ کرن یمیں تم کچھ کام آسکتے ہو۔ یہ راز مریخ کا اور میرا سب سے قیمتی راز ہے اور وہ صرف میرے علاقہ میرے معتمد خاص مارکوئس کو معلوم ہے جو حتی الامکان اس سلسلے میں تمہاری مدد کریں گے۔

میں نے مریخ پر مختلف مقامات پر مختلف ٹمپریچر اور مختلف حالات پائے تھے۔ یہاں کے علیحدہ علیحدہ خطہ ہائے زمین پر علیحدہ علیحدہ مخلوق آباد ہیں۔ ان کے حسب مزاج حالاتِ زندگی معمول پر رکھن کیلیے میں نے مریخ پر سات گیس فیلڈ قائم کیے ہیں جو سات ایسے فضائی علاقوں کی طرح ہے جنہوں نے سات براعظموں کو ڈھانک رکھا ہے اور ان علاقوں کے اندر ہی ان کی مخلوق آبادی ہیں۔ پہلے ان میں متضاد ٹمپریچر اور فضائی طوفانوں کی وجہ سے مریخ کے باشندوں کی زندگی کی مدت دس سال تک تھی، لیکن میں نے ان کی زندگی کے معتدل نشو ونما کے قیام کیلیے ٹمپریچر زون بنا کر ان کی عمر میں کم از کم دس گنی زیادہ کر دی۔ یہ کوئی معجزہ نہیں ہے۔ ایک سائنسی کوشش تھی۔ بہر حال ان سات سکٹروں کی انتظامی سہولت کیلیے اور ساتھ ہی مریخ بھر میں مرکزیت اور ایک قلم قائم رکھنے کیلیے میں نے حیاتِ انسانی کے تمام عناصر کی تربیت کے

مطابق زندہ ایٹموں سے تخلیق ثانیہ کی اپنی تھیوری پر کامیاب تجربات کرنے کے بعد اپنے سات ڈپلیکیٹ تیار کیے، جنہیں میں اپنی جگہ ایک ایک سکٹر میں مقرر کر دیا تا کہ میں بیک وقت ہر سکٹر میں موجود سمجھا جاؤں اور مریخ کا امن برباد کرنے کیلیے کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ پڑے۔

میرا یہ راز اگر میں تم کو بھی نہ بتاتا تو تم ہر سکٹر میں سلازار کو موجود پا کر دھوکے میں پڑ جاتے۔ بہر حال میں نے یہ کیا تھا تو انتظامی سہولتوں کیلیے، لیکن میری ہی لاپرواہی یا حماقت سے میرے ان ڈپلیکیٹس میں جہاں میری ہر حالت ہر خصوصیت منتقل ہوئی، وہاں میرا دماغ بھی مجسم ڈپلیکیٹ ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں ایسی بھول کر بیٹھا ہوں جو خود میرے لیے وبال جان بن جائے گی۔ اس تخلیق ثانیہ کے موقعے پر میں نے ان سات سلازارو سے جو انتقالِ خیالات کا ذہنی رابطہ قائم کیا تھا، اس کی جوہ سے مجھے انھیں کوئی احکامات دینے، یا ان کی رہنمائی کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی، کیونکہ جو میں سوچتا تھا، ذہنی رابطے کے ذریعے وہی خیالات ان کے دماغ میں بھی آتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوتِ اختراع، قوتِ ارادی اور قوتِ فکر میں میری برابر ہو گئے اور مجھے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ جیسے میں ایک جگہ رہ کر اپنے دن رات تلقی وجھودوں کے ذریعے پورے نظام کو اپنی غیر موجودگی محسوس کرائے بغیر کنٹرول کرتے رہنے کی بجائے خود ان سات ڈپلیکیٹس کا قیدی بن گیا ہوں۔ کیونکہ ان کے بغیر میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ جو میں سوچتا ہوں، وہی وہ سوچتے ہیں۔ اس خطرے کا احساس جس طرح میرے دل میں پیدا ہوا اس ذہنی رابطے سے بالکل اسی طرح ان کے دماغوں میں بھی پیدا ہوا۔ گویا میں ان سے اور وہ مجھ سے خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اور چونکہ وہ بھی اتنے ہی طاقتور ہو چکے تھے جس قدر میں، اس لیے اب میرا مقابلہ ایک اور سات کا مقابلہ ہے۔ اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر وہ ساتوں یکجا ہو جائیں گے تو شاید وہ مجھے ختم کر ڈالیں گے۔ کیونکہ جیسے جیسے میں ان کے بارے میں سوچتا ہوں، ویسے ویسے میرے دل میں ان کے خلاف اندیشے اور غصہ پیدا ہوتا جاتا ہے اور بالکل ایسی ہی کیفیت میرے ساتھ ساتھ ان کے ذہنوں میں بھی پیدا ہو رہی ہے۔

اس عجیب معاملے نے مجھے اتنا الجھا دیا ہے کہ میں کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہ گیا ہوں۔اور سوچنے سے فائدہ بھی نہیں۔کیونکہ جو میں سوچوں گا، وہ بھی وہی سوچیں گے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے خود کو اپاہج بنا لیا ہے۔اب صورتِ حال یہ ہے کہ نہ میں یہ راز کسی پر ظاہر کر کے مریخ کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ اس طرح ایک کی جگہ سات علیحدہ علیحدہ اور خود مختار حکومتیں قائم ہو جائیں گی جو کبھی بھی ایک دوسرے کو تباہ کر سکتی ہیں، اور نہ ہی خود کچھ کر سکتا ہوں، کیونکہ جو میں کروں گا وہ بھی وہی کریں گے۔ایسے میں مجھے تم یاد آئے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ ایسے سنگین ترین معاملے میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ مجھے تم پر کس قدر اعتماد ہے۔اس لیے میں نے تمہارے ڈپلیکیٹ بھیج کر تمہیں یہاں بلوایا، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم ہی میری جگہ مناسب طریقے سے اس مصیبت کو ختم کرنے کیلیے کچھ سوچ سکو گے۔مین جو اس وقت لکھ رہا ہوں، وہ بھی وہی سوچ رہے ہوں گے، لیکن وہ تمہیں پا نہ سکیں گے، کیونکہ تمہارے آنے سے قبل میں بھی روپوش ہو رہا ہوں تا کہ اپنے دماغ کو کچھ عرصے کیلیے بالکل سادہ کر دوں اور جب میں ایسا کروں گا تو ان کے دماغ بھی میری طرف سے بلینک ہو جائیں گے۔لیکن جو عفریت اور جو طاقت وہ میری طرف سے حاصل کر چکے ہیں وہ بہر حال ان کے پاس ہے، اس لیے انھیں حقیر نہ سمجھنا۔

مجھ میں اور ان میں صرف ایک فرق ہے، اور وہ ہے ابدیت کا۔یہی ایک خصوصیت غیر متبادل رہی ہے۔پھر بھی ان کے اندر جسمانی نظام وہی ہے جو میرا ہے۔شاید یہ اشارہ تم کافی سمجھو کہ بریں ہی سب کچھ ہے، آگے تم جیسا مناسب سمجھو، کرو۔مارکوئس تمہارے ہر طرح کام آئیں گے۔ان کے علاوہ چند ایسی چیزیں بھی ان کی تحویل میں چھوڑ رہا ہوں جو مختلف سکفروں پر کام آسکیں گی۔

لیکن اس قدر خطرناک ترین مرحلہ تمہارے سپرد کرنے کے باوجود میں اپنی دوستی کی خاطر تمہاری زندگی کا سودا کرنا نہیں چاہتا، اس لیے تم اس بات کیلیے قطعی آزاد ہو۔اگر اس ذمے

داری کو ہاتھ میں نہ لینا چاہو تو مارکوئس کو بلا تکلف بتا دو، وہ تمہیں واپس پہنچانے کا انتظام کر دیں گے۔

یہ یاد رکھو کہ میرے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں، یا تو میں آپ سے آپ آگے سوچنے اور عمل کرنے کا کام تمہارے سپرد کر دوں، یا بصورتِ دیگر کھل کر ان کے مقابل آجاؤں، لیکن دوسری صورت میں میرا ان ساتوں سے جو ٹکراؤ ہوگا، اس میں ہم سب کی اور مریخ کی تباہی یقینی ہے، کیونکہ ان کے خلاف میرے دل و دماغ میں بدی پیدا ہو چکی ہے اور میرے خلاف وہ بھی تخریبی رجحانات پر اتر آئے ہیں۔ اور جب ایک اور سات سلازار ٹکرائیں گے تو تم سوچ سکتے ہو کہ انجام کیا ہوگا۔

اب آگے جیسا مناسب سمجھو، کرو۔ میں آج سے اپنے ذہن کو خالی کر رہا ہوں۔

فقط تمہارا رفیق سلازار

☆☆☆☆☆

مارکوئس نے سلازار کا مکتوب پڑھ کر اسے واپس کر دیا۔

''مجھے یہ سب کچھ معلوم تھا، لیکن میری ذہنی صلاحیتیں اس سلسلے میں رہنمائی کے قابل نہ تھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ موسیو سلازار نے آپ پر یہ ذمے داری ڈال کر مناسب ترین انتخاب کیا ہے۔'' مارکوئس نے کہا۔

''مجھے تو خوشی ہے کہ میرے دوست نے مجھے اس قابل سمجھا۔''

''اب دوسری مہم کہاں سے شروع ہوگی آپ کی؟'' مارکوئس نے پوچھا۔

''سکٹ تھری۔'' خان نے جواب دیا۔ ''ابھی تو ایک ہی سلازار ختم ہوا ہے ۱۶ اور باقی ہیں۔''

''کیا میں بھی چلوں ساتھ میں؟'' مارکوئس نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''نہیں، آپ کا یہاں پر رہنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس وقت تو موسیو سلازار کا ڈپلیکیٹ بھی نہیں ہے یہاں۔'' خان بولا۔ ''میں اور میرے ساتھی وہاں اجنبیوں کی طرح جائیں گے۔'' خان بولا۔

''اس کی سرحدوں تک میں پہنچوادوں گا آپ کو، لیکن اسرار یہ ہے کہ ان سات سکٹروں میں سے ہر سکٹر والے ایک دوسرے کیلیے اجنبی ہیں۔ نہ جانے کیوں موسیو سلازار نے ایسا انتظام رکھا ہے۔ ویسے اس میں تو شک نہیں کہ یہ سات علیحدہ علیحدہ دنیائیں ہیں، لیکن سب پر مقتدر اعلیٰ تو موسیو سلازار ہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر سکٹر کی مخلوق یہ ضرور جانتی ہے کہ مریخ کے سات سکٹر ہیں اور سب پر سلازار کا اقتدار ہے، لیکن ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہیں۔'' مارکوئس نے بتایا۔

''میں سمجھ گیا آپ جو سمجھانا چاہتے تھے، مگر وہ کچھ اور چیزیں کونسی ہیں جو آپ کی تحویل میں انھوں نے میرے لیے چھوڑی ہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''آپ کی روانگی کے قبل ہی آپ تک پہنچ جائیں گی۔'' مارکوئس نے کہا۔

''ہماری روانگی اگر صبح کا اجالا ہونے سے قبل ہی ہوجائے تو بہتر ہے۔'' خان بولا۔

''یہی مناسب رہے گا۔ ویسے آپ لوگ یہاں والوں کیلیے کافی پراسرار بن گئے ہیں۔ ہر طرف آپ لوگوں کے ہی چرچے ہیں کہ زمین سے کچھ لوگ آئے ہیں جن کا مشن کسی کو معلوم نہیں۔'' مارکوئس ہنس کر بولا۔

''ایک اور بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے اکثر جگہ ایک ہی شکل جیسی شکل کے بہت سے آدمی دیکھے ہیں، یہ کیا بات ہے؟''

''اوہ، وہ تو موسیو سلازار نے یہاں کی آبادی میں انتظامی سہولتوں کیلیے زمین والوں کا تناسب بڑھانے کیلیے ۱۵۰۰ افراد کے دو دو سو ڈپلیکیٹ تیار کیے تھے۔ مریخ کی زمین میں وہ تمام عناصر موجود ہیں، جو انسانی جسم کی ساخت کیلیے ضروری ہوتے ہیں۔ صرف سورج سے

دوری کی سبب ٹمپریچر کی گڑبڑ سے یہاں کی مخلوقیں مختلف النوع ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کل ہم ایک نئی دنیا کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔" خان اٹھتے ہوئے بولا۔

"جی تو میرا بھی بہت چاہتا ہے ساتھ چلنے کو، مگر کیا کروں مجبور ہوں۔" مارکوئس نے سرد سانس کھینچ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

☆☆☆☆☆

"لو، وہ کباب میں ہڈی آ گئے۔" شوکت نے خان کو دیکھتے ہوئے بولا۔

بالے تاریک لون میں اپنی مریخی محبوبہ کو باہوں میں بھرے کھڑا تھا۔ یہ سنتے ہی چونک پڑا۔

"ارے بھاگو۔" اس نے لڑکی کو دوسری طرف دھکیلا۔

"بنیہ۔" لڑکی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں تو اس بنیہ پر قربان ہو جاؤں گا، مگر وہ خشکے علیہ البرکت آ رہے ہیں۔ وہ مجھے ابھی فارغ البال کر دیں گے۔"

"پھر کب ملو گے؟" لڑکی نے دوبارہ زبردستی اس کے گلے میں باہیں ڈال کر پوچھا۔

"میں تمہارے لیے ابھی پھر سے جنم لوں گا، گھبراؤ نہیں۔" بالے نے اسے تسلی دی، مگر اس وقت شوکت اپنی مریخی محبوبہ سمیت بھاگا ہوا آ پہنچا۔

بالے جلدی سے لڑکی سے علیحدہ ہو گیا۔

"یار تم پورے اخروٹ ہو۔ بس گدھے کی طرح جدھر سینگ سمائے چلے آتے ہو۔" بالے جھنجلا کر بولا۔

Akram Allahabadi

''اے لو، تو کیا تم اکیلے ہی سالے مہبو باوالے ہو؟ خان صاحب مجھ سے کیا بات کردیں گے۔''شوکت گھبرا کر بولا۔

''اچھا سوئٹ ہارٹو، تم دونوں رخصت، ہم تو جاتے ہیں اب مقتل میں، کل ملیں گے اگر خدا لایا۔''بالے نے یہ کہہ کر شوکت کو گھسیٹا اور دونوں ہال میں آگئے، جہاں خان کھڑا انھیں گھور رہا تھا۔

''کیا ہو رہا تھا وہاں؟''خان نے پوچھا۔

''وہ، وہ ہم لوگ گوشہ عافیت میں واپسی کی دعائیں کر رہے تھے۔''بالے نے جلدی سے کہا۔

''جیاں۔''شوکت نے جلدی سے تائید کی۔''میں نے تو منت بھی مانی ہے۔''

''ہم کل سورج کے اجالے سے پہلے ایک نئی دنیا کیلیے روانہ ہو رہے ہیں۔''خان کا نادر شاہی حکم انھیں کانوں میں سیسہ پگھلاتا سنائی دیا۔

''دھات تیری کی۔''شوکت سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔''سالا ہیڈ و نچر نہیں ہو گیا، کچھ وہ ہو گیا۔''

''کیا وہ ہو گیا؟''بالے نے پوچھا۔

''میرا سر۔''شوکت جھنجلا گیا۔

''شوکت بھائی، وہاں تو چاند سے بھی زیادہ حسین چوکھٹے ہوتے ہیں۔''بالے نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

''اللہ قسم۔''شوکت نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے چونک کر پوچھا۔

''شٹ اپ۔''بالے نے خان کی طرف دیکھ کر شوکت کو ڈانٹ دیا۔

''تم خود شٹ اپ، میاں خاں۔ تمہارا باپ شٹ اپ۔''شوکت تاؤ میں آگیا۔

''لڑائی پھر کرنا، آرام کرلو۔ ہمیں ایک نامعلوم منزل کی طرف سفر کرنا ہے۔''

Akram Allahabadi

خان یہ کہہ کر اپنی آرام گاہ کی طرف چلا گیا اور بالے اور شوکت ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi